قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ستمبر
1998ء

ایہہ پُتر ہٹاں تے نئیں وِکدے

کامل مومن وہ ہے جو خوش اخلاق اور گھر والوں سے نرم سلوک کرنے والا ہو۔ (ترمذی)

A perfect believer is that who is nice in behaviour and kind to his family members. (Tirmizi)

SHAHAB

QUALITY PISTON RINGS

THE ONLY MANUFACTURERS OF INTERNATIONAL QUALITY PISTON RINGS IN PAKISTAN.

MINIMIZE WEAR
RESTORE COMPRESSION
GET MORE POWER
CONTROL OIL

CALL US FOR THE EXCELLENT RECONDITIONING OF AUTOMOBILE ENGINES OF ALL KINDS.

M. SHAH MOHAMMAD
& SONS (PVT.) LTD.
OUTSIDE PAK GATE, MULTAN, PAKISTAN
PHONE OFFICES: : 545071, 43671, 539071-73
FACTORY 550171

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

25-B گلبرگ 2 طلوعِ اسلام روڈ لاہور 54660

Phone: 5714546/5753666/5764484

چیئرمین: ایاز حسین انصاری
ناظم: محمد لطیف چوہدری

ستمبر 1998ء

ناشر: عطاء الرحمٰن ارائیں
سرکولیشن مینجر: مرزا زمرد بیگ

ایڈیٹر

محمد لطیف چوہدری

مجلسِ شاورت: عبداللہ ثانی۔ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر۔ بشیر احمد عابد

مجلہ طلوع اسلام کا سالانہ زرِ شرکت

پاکستان میں	۱۷۰/- روپے
یورپ اور مڈل ایسٹ	۶۰۰/- روپے
امریکہ، آسٹریلیا، کینیڈا	۸۰۰/- روپے

ادارہ طلوع اسلام کا اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: ۳۰۸۲۰۷ نیشنل بنک
مین مارکیٹ گلبرگ، لاہور

اشتہارات کے نرخ یہ ہیں

صفحات	ایک بار	سال بھر کے لئے
باہر ٹائیٹل	۸۰۰/- روپے	۶۰۰۰/- روپے
اندر ٹائیٹل	۶۰۰/- روپے	۵۰۰۰/- روپے
اندر کے صفحات	۵۰۰/- روپے	۴۰۰۰/- روپے
نصف صفحہ	۳۰۰/- روپے	۲۰۰۰/- روپے

مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔
اُجرت اشتہار مسودہ کے ہمراہ ارسال کریں۔

۱۵ روپے

مقامِ اشاعت: 25 بی گلبرگ 2 - لاہور

پرنٹر: خالد منصور نسیم - پریس: پیس پرنٹرز 13-32-A ریٹی گن روڈ - لاہور

EMAIL: tolueislam.pol.com.pk WEB> http://www.toluislam.com

فہرست

لمعات	ادارہ	4
شہر کے لوگ	علامہ غلام احمد پرویزؒ	12
ختم نبوت	عبیدالرحمان ارائیں	16
فروغ تعلیم	بشیر احمد عابد	19
اٹوٹ انگ	ڈاکٹر شبیر احمد (فلوریڈا)	27
ہماری مشکلات کا حل	ایاز حسین انصاری	31
کیا گاندھی مہاتما تھے	سید سبط الحسن ضیغم	34
ترجمہ یا مفہوم	تنویر مفتی (سویڈن)	40
اسلامی نظام	ڈاکٹر سید عبدالودود	45
سائنس کی بوالعجبیاں	میاں حماد مرتضیٰ	50
خود کشی عوامی خود انحصاری	عبدالقادر حسن	54
تخلیق آدم	مرزا افضل حسین مغل	56
ایڈیٹر کے نام	شمیم انور صاحبہ	64

سیمینار

بعنوان

اقبال اور قرآن

پاکستان سے اگر اقبالؒ کی فکر اور پیام کو نکال دیا جائے تو اس میں اور کسی سیکولر سٹیٹ میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ اقبالؒ کی فکر کا سرچشمہ قرآن حکیم ہے اس لئے اقبال کی فکر کو فراموش کر دینے کا مطلب یہ ہے قرآنی نظام حیات کا صحیح تصور نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔

اندریں حالات اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ فکر اقبال کو قرآن حکیم کی روشنی میں عام کیا جائے۔

اس مقصد کے لئے ادارہ طلوع اسلام یکم نومبر 1998ء بروز اتوار دانشوران قوم کو **ایوان اقبال** لاہور میں دعوت خطاب دے رہا ہے۔ تاریخ نوٹ فرما لیجئے۔

دعوت عام ہے۔ خود تشریف لائیں عزیز و اقارب اور دوستوں کو ہمراہ لائیں۔

بیرون ملک سے تشریف لانے والے حضرات ابھی سے سیٹیں محفوظ کروا لیں۔

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

ایک سوال اور اس کا جواب

سوال یہ ہے کہ جب ظلم و ستم حد سے بڑھ جائے اور حکومت وقت بھی مظلوموں کے دکھوں کا مداوا نہ کر پائے تو پھر ستم رسیدہ انسانوں کے لئے احتجاج، تشدد، گھیراؤ اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے مسائل خود حل کرنے کے علاوہ اور کونسا چارہ رہ جاتا ہے؟

ہماری نظر میں یہ سوال کسی ایک فرد کے خیالات کا مظہر نہیں۔ یہ ترجمان ہے اس ذہنیت کا جو آجکل ہماری قوم کے نوجوانوں میں بالعموم پرورش پا رہی اور تیزی سے پھیل رہی ہے۔ یہ سوال ایسا ہے جس پر ملک کے ہر صاحب بصیرت کو نہایت سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ آیئے ہم اس سوال کی جامعیت کو سامنے رکھتے ہوئے صورت حال کا تجزیہ کریں۔

سوال میں جس پریشانی و اضطراب کا اظہار کیا گیا ہے اس مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً"

1- ایک ملک ہے جس میں نہ کوئی حکومت قائم ہے، نہ کوئی آئین و ضابطہ قوانین رائج۔ ظاہر ہے کہ ایسے ملک میں عوام کو ظلم و غارت گری کے خلاف جدوجہد اپنے طور پر آپ ہی کرنی پڑے گی۔ اس کے سوا وہاں کوئی چارہ ہی نہیں ہو گا۔ پاکستان میں صورت حال یہ نہیں۔ یہاں ایک حکومت قائم ہے اور قوانین رائج ہیں۔

2- ایک ملک میں حکومت بھی قائم ہے اور قوانین بھی رائج ہیں لیکن اس میں ایک فرد یا گروہ یا چند عناصر قانون شکنی کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ اس کی روک تھام کیلئے عوام کیا کریں۔ اس کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں مثلاً"

(الف) کسی گاؤں پر ڈاکو حملہ کر دیتے ہیں اور اتنی مہلت نہیں دیتے کہ پولیس تک اطلاع بھیجی جا سکے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت گاؤں کی آبادی ہی ان کی مدافعت کریگی۔ ہو سکتا ہے کہ اس مدافعت میں، ہتھیار بھی استعمال کرنے پڑیں اور بعض جانیں بھی تلف ہو جائیں۔ یہ حفاظت خود اختیاری کی شکل ہے جو افراد میں بھی ہو سکتی ہے اور گروہوں میں بھی۔ قانون آپ کو اس کی اجازت دیتا ہے۔ ایسے حالات میں کسی دوسرے مظلوم کی حفاظت کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہو جاتا ہے۔

(ب) ڈاکو، ڈاکہ ڈال کر، بعض افراد کو قتل کر کے اور بعض کا گھر بار لوٹ کر چلے جاتے ہیں اور گاؤں والے ان کا تعاقب کرتے ہیں۔ وہ پلٹ کر ان پر حملہ نہیں کرتے بلکہ بھاگ اٹھتے ہیں۔ ایسی صورت میں، گاؤں والوں کو اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ ان بھاگنے والے ڈاکوؤں پر گولی چلا دیں۔ اس لئے کہ یہ حفاظت خود اختیاری کی مجبوری نہیں ہو گی، قانون شکنی پر ان کا مواخذہ کرنا ہو گا۔ اس کے لئے گاؤں والوں کو حکومت کی ایجنسی کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ کسی فرد یا گروہ کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ دوسروں کو قانون شکنی کی سزا خود ہی دینے لگ جائیں۔ سزا دینا عدالت کا

کام ہے' افراد کا نہیں۔ اگر افراد کو اس کی اجازت دے دی جائے۔ یا وہ قانون کو از خود اپنے ہاتھ میں لے لیں' تو معاشرہ میں ایسی انارکی پھیل جائے گی جس میں کسی کا کچھ محفوظ نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجرم کو سزا دینے کیلئے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لینا بجائے خویش جرم ہے۔

اگر آپ مجرم کو سزا دلانے کیلئے حکومت کی طرف رجوع کرتے ہیں' لیکن (کسی وجہ سے) حکومت کی ایجنسی اسے سزا نہیں دیتی تو بھی آپ اسے از خود سزا نہیں دے سکتے۔

(ج) کسی جگہ ایسے جرم کا ارتکاب ہو رہا ہے جس میں آپ کی (یا کسی اور کی) حفاظت خود اختیاری کا سوال پیدا نہیں ہوتا' تو آپ کو' اس قانون شکنی کے انسداد کیلئے حکومت کی ایجنسی کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ آپ اسے از خود جبراً" روکنے کے اقدامات نہیں کر سکتے۔ ایسا کرنے سے بھی معاشرے میں انارکی پھیل جائے گی۔

اگر حکومت آپ کی اطلاع دہی کے باوجود' اس کی روک تھام کا کوئی انتظام نہیں کرتی' تو آپ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر سکتے ہیں۔ قوم کی توجہ اس طرف مبذول کرا سکتے ہیں۔ اس آواز کو دور دور تک پھیلانے کے انصرامات کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ آپ کو نہایت پرامن طریقہ سے کرنا ہو گا۔ قرآن کریم نے مظلوم کو "آواز بلند کرنے" کا حق دیا ہے' جہاں کہا ہے کہ **لا یحب اللّٰہ الجھر بالسوء مین القول الا من ظلم** (4/148) قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا حق نہیں دیا۔ وہ ہر مشاجرت میں حکومت کو حکم (فیصلہ دینے والی اتھارٹی) قرار دینے کا حکم دیتا ہے (4/65) اور ہر منازعت میں انہی کی طرف رجوع کرنے کی پابندی عائد کرتا ہے (4/59) حتیٰ کہ وہ اس کی بھی تاکید کرتا ہے کہ اگر تم تک کوئی ایسی خبر پہنچے جس سے معاشرہ متاثر ہوتا ہو' تو اسے بھی ارباب نظم و نسق تک پہنچاؤ تاکہ وہ اس کی چھان بین کر کے صحیح نتیجہ تک پہنچ سکیں۔ (4/83)

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان تمام اقدامات کے باوجود اگر حکومت اس کی روک تھام کا کچھ انتظام نہ کرے۔ خواہ اس کی وجہ اس کی غفلت یا نااہلی ہو' یا قانون شکن عناصر کے ساتھ ساز باز۔ تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ اس کے متعلق ہم ذرا آگے چل کر لکھیں گے۔

(د) ملک میں قانون ہی ایسا رائج ہو جو معاشرہ کیلئے تباہی کا موجب ہو' تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے۔

اس سلسلہ میں پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ اس بات کا فیصلہ کس طرح کیا جائے گا کہ وہ قانون معاشرہ کے لئے تباہ کن ہے یا نہیں۔ سیکولر نظام حکومت میں اس کے لئے کوئی مستقل معیار نہیں ہوتا۔ اس میں حکومت کا فیصلہ ہی معیار ہوتا ہے خواہ وہ حکومت شخصی یا جمہوری' پارلیمانی ہو یا صدارتی۔

نہ ہی تھیاکریسی (مذہبی پیشواؤں کی حکومت) میں اس کے لئے کوئی معیار ہوتا ہے' اس میں مذہبی پیشواؤں کا فیصلہ ہی قول فیصل قرار پاتا ہے۔

لیکن قرآنی نظام حکومت میں اس کا معیار خدا کی کتاب ہوتا ہے جو مکمل بھی ہے اور غیر متبدل بھی۔ سیکولر یا پاپائی حکومت میں' جو فیصلہ رائج الوقت قانون کے مطابق کیا جائے' وہ عدل کے تقاضا کو پورا کر دے گا۔ لیکن قرآنی نظام حکومت میں خود اس قانون کا کتاب اللہ کے مطابق ہونا بھی ضروری ہے "یہ لوگ الحق (کتاب اللہ) کے مطابق لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں اور اسی کے مطابق عدل کرتے ہیں" (7/159) مانزل اللہ کے مطابق فیصلے کرنے کو قرآن نے ایمان اور اس کے خلاف فیصلے کرنے کو کفر سے تعبیر کیا ہے (5/44)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ملک میں کوئی ایسا قانون رائج ہو جو کتاب اللہ کے خلاف ہو' تو پھر کیا کیا جائے؟ اور یہی ہے درحقیقت وہ سوال جسے اس سوال میں سامنے لایا گیا ہے اور جو اس ذہنیت کی پیدائش اور پرورش کا موجب بن رہا ہے' جس کا اظہار اس میں کیا گیا ہے اور جسے ہم نے اپنی نئی نسل کی عمومی ذہنیت قرار دیا ہے۔ اس سوال میں جن لوگوں کو ظالم اور غاصب قرار دیا گیا ہے وہ (مسلمہ) ڈاکو' رہزن' قزاق نہیں۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو نظام سرمایہ داری کی وجہ سے دوسروں کی محنت غصب کر کے' دولت سمیٹتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ نظام سرمایہ داری' ہمارے ملک کا رائج الوقت نظام (قانون) ہے۔ لہٰذا یہ لوگ قانون شکنی کے مرتکب ہو کر دوسروں کو نہیں لوٹتے۔ ان کی لوٹ اس غلط نظام کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا' سوال ان لوگوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا نہیں' اصل سوال اس غلط نظام کو بدلنے کا ہے جس کے نتیجہ میں ان کی سرمایہ داری مطابق قانون قرار پا رہی ہے۔ اگر ہم اس نظام یا قانون کو بدلوانے کے بجائے' ان افراد کے مارنے' جلانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوں تو سوچئے کہ ملک میں کیا حالات پیدا ہو جائیں گے۔ اسے آپ ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ علماء کی طرف سے فتویٰ صادر ہوتا ہے کہ نظام سرمایہ داری کی مخالفت کرنے والے (سوشلسٹ) کافر ہیں۔ ان حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ جس مسلمان کو کافر قرار دے دیا جائے وہ مرتد ہو جاتا ہے' اور مرتد کی سزا قتل ہے لیکن ملک کا مروجہ قانون' ارتداد کو جرم ہی قرار نہیں دیتا۔ چہ جائیکہ اس کی سزا قتل قرار پائے۔ اب اگر یہ حضرات' موجودہ قانون کو بدلوانے کے بجائے' خود ہی ان لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیں جو ان کے فتوے کی رو سے کافر (یعنی مرتد) قرار پا چکے ہیں' تو فرمایئے آپ کا اس وقت کیا رد عمل ہو گا؟

یا مثلاً قرآن کی رو سے زنا کی سزا سو کوڑے (یا علماء حضرات کے نزدیک سنگسار کرنا) ہے لیکن ملک کا رائج الوقت قانون' ایک غیر شادی شدہ' بالغ جوڑے کی باہمی رضامندی سے (بلا نکاح) جنسی تعلقات کو جرم قرار نہیں دیتا۔ اب اگر لوگ اس قانون کو بدلوانے کے بجائے' اس قسم کی حرکت کے مرتکب جوڑوں کو پتھر مار مار کر ہلاک کرنا شروع کر دیں' تو کیا آپ اسے روا رکھیں گے؟

ذرا سوچئے کہ اگر اس شکل کو روا قرار دیا جائے تو ملک میں کوئی ایسا شخص بچے گا بھی' جس کی جس وقت کسی کا جی چاہے' پٹائی نہ کر دی جائے یا جان سے نہ مار دیا جائے۔ اس لئے کہ ہم میں سے کون ہے جس کے معمولات زندگی میں کوئی نہ کوئی بات ایسی نظر نہ آئے جو کسی دوسرے کے نزدیک خلاف شریعت ہو! لہٰذا اصل کام کرنے کا یہ ہے کہ ملک میں نافذ شدہ غلط نظام اور قوانین کو بدلا جائے۔ ہم اس باب میں خوش قسمت ہیں کہ ہم اس دور میں پیدا ہوئے ہیں جب زمانہ قوانین سازی اور قوانین میں تبدیلی کیلئے' قرآن کے تجویز کردہ مشاورتی فریق کی طرف آرہا ہے (اسے مغربی اصطلاح میں جمہوریت کہا جاتا ہے) اس میں شبہ نہیں کہ یہ طریق ابھی بتمامہ قرآنی خطوط پر متشکل نہیں لیکن گزشتہ ادوار کے استبدادی اور شخصی طرق کے مقابلہ میں فی الجملہ بہتر ہے۔ اگر اس کے نتائج ہنوز اتنے خوشگوار مرتب نہیں ہو رہے تو اس کے ایک بڑی حد تک ذمہ دار ہم خود ہیں۔ بہرحال' ہم کہہ رہے تھے کہ قوانین کو بدلوانے کیلئے ملک میں جمہوری طریق اختیار کیا جائے' نہ کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا جائے۔

اس مقام پر وہ سوال سامنے لایا جاتا ہے جس کی طرف ہم شروع میں اشارہ کر چکے ہیں۔ یعنی یہ کہ اگر کوئی حکومت جمہوری طریق سے ایسا نظام بدلنے کیلئے تیار نہ ہو' تو پھر کیا کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں خود اس حکومت کو بدل دیا جائے لیکن حکومت کو بھی آئین اور قرآن کے مشاورتی طریق سے بدلا جائے۔ قتل و غارتگری اور

شورش انگیزی و ہنگامہ خیزی سے نہیں۔ جو حکومتیں فساد انگیزی سے قائم کی جاتی ہیں وہ نہ زیادہ عرصہ تک قائم رہا کرتی ہیں نہ خوشگوار نتائج پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔

جب 1942ء میں مسٹر گاندھی نے (Quit India) کی تحریک شروع کی اور قوم کو قانون شکنی کیلئے بیباک چھوڑ دیا' تو اس وقت اس نے قائداعظمؒ کو دعوت دی تھی کہ جب انگریز کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کا ہمارا اور آپ کا مقصد ایک ہے تو آپ بھی اس تحریک میں شامل ہو جایئے یا کم از کم اس کی تائید کیجئے۔ اس کے جواب میں قائداعظمؒ نے فرمایا تھا کہ گاندھی جی! قوم کو قانون کا احترام سکھایئے۔ قانون شکنی کا سبق نہ پڑھایئے۔ ایک دفعہ قوم کو اس کی عادت پڑ گئی تو آج جس سیلاب کا رخ انگریز کی طرف ہے کل اس کا رخ خود آپ کی سمت ہو جائے گا۔ اس وقت اس کے سامنے بند باندھنا آپ کے بس میں نہیں رہے گا۔

یہی کچھ ہم نے اپنے ہاں کے ان لیڈروں کی خدمت میں عرض کیا تھا جو اس وقت قوم کو قانون شکنی کیلئے ابھار رہے ہیں۔ ہم نے کہا تھا کہ الٰہ دین کے چراغ کے اس جن کو بوتل سے نہ نکالئے۔ یہ ایک دفعہ باہر نکل آیا تو اسے دوبارہ بوتل میں بند کرنا خود الٰہ دین کے بس کی بات بھی نہیں ہو گی۔ لیکن قوت کے نشہ کی مدہوشی اس قسم کے مشوروں کو کب درخور اعتنا سمجھتی ہے انہوں نے قانون شکنی کی جی بھر کر داد دی۔ ان عناصر کو ہیرو قرار دیا۔ اور جو ہنگاموں میں مر گئے انہیں شہید کہہ کر پکارا گیا۔ لیکن جب وہی قانون شکنی کے خوگر عناصر' ان کے خلاف اٹھتے ہیں تو یہ چیخنے لگ جاتے ہیں اور فریاد کرتے ہیں کہ انہیں روکئے لیکن اب انہیں کون روک سکتا ہے۔

جو آگ لگائی تھی تم نے اسکو تو بجھایا اشکوں نے
جو اشکوں نے بھڑکائی ہے اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے

ان حضرات نے ہماری نئی نسل کے ذہن کو (جو نہایت عمدہ صلاحیتوں کی مالک تھی) اس قدر بگاڑ دیا ہے کہ وہ اب آئینی طور پر معاشرہ میں تبدیلی لانے کی بابت سوچ ہی نہیں سکتے۔ سوچئے کہ نوجوانوں کو اس قسم کی روش پر آمادہ کرنا' قوم اور ملک سے دوستی کہلائیگا یا دشمنی؟

اگر کوئی چاہتا ہے کہ یہاں اچھی حکومت قائم ہو' تاکہ غلط قوانین کی جگہ صحیح قوانین نافذ کرے تو اس کا طریق یہ ہے کہ موجودہ فساد انگزیوں اور ہلڑ بازیوں کو چھوڑ کر' نہایت امن و سکون سے' قوم میں اس کا شعور بیدار کیا جائے کہ کسی پارٹی سے وابستگی اور کسی قسم کے لیبل کو دیکھے بغیر' اسے ووٹ دیا جائے جو سیرت کے اعتبار سے بہتر اور صلاحیتوں کے اعتبار سے عمدہ ہو۔

اب ہم اسلامی اور غیر اسلامی حکومت کی طرف آتے ہیں۔ مسلمانوں کے غیر اسلامی حکومت میں رہنے کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں۔

(الف) حکومت غیر مسلموں کی ہو اور مسلمان اس میں رعایا' (اقلیت) کی حیثیت سے زندگی بسر کریں۔ یہ مسلمانوں کا مستقل نہج زندگی نہیں ہو سکتا۔ مسلمان خالص اسلامی زندگی صرف اپنی آزاد مملکت میں بسر کر سکتا ہے۔ اس اضطراری اور عارضی نہج زندگی کی مثال حضورؐ اور آپ کے رفقاء کی مکی زندگی ہے۔ مکہ میں کوئی منظم حکومت تو نہ تھی لیکن معاشرہ ہر نوع غیر اسلامی تھا۔ اس میں حضورؐ نے اپنی جماعت کی تشکیل اور قیام مملکت کے ابتدائی مراحل کی ترتیب میں مصروف رہے لیکن اس تمام عرصہ میں آپ نے مکی معاشرہ کے خلاف کوئی شورش برپا نہیں کی۔ کوئی ہنگامہ کھڑا نہیں کیا۔ اور تمام

تکالیف کو استقامت سے برداشت کیا۔ جب دیکھا کہ مدینہ میں اپنی مملکت قائم کرنے کیلئے فضا سازگار ہے تو ہجرت کر کے وہاں چلے گئے۔ اس کے بعد مکہ میں جو مسلمان ایسے رہ گئے جنہیں مخالفین نے ہجرت کرنے سے روک دیا تو مدینہ کے مسلمانوں کو خدا کی طرف سے حکم ملا کہ وہ ان کی مدد کیلئے اٹھیں اور انہیں اس ظالم بستی سے نکالنے کی صورت پیدا کریں۔ (4/75)۔ یہ حالت آج ہندی مسلمانوں کے ہاں پیدا ہو گئی ہے جس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ ملک پاکستان' مملکتی سطح پر انتظامات کے تحت (تبادلہ آبادی کے اصول کے تحت) ان مظلوموں کو وہاں سے نکال لائے۔ اگر ہندو حکومت اس کے لئے آمادہ نہ ہو' اور ہم میں ہمت ہو تو اس کے لئے ہم پر جنگ کرنا بھی لازم آجاتا ہے۔ 1965ء کے جہاد نے ثابت کر دیا تھا کہ ہم ایسی جنگ کر سکتے ہیں لیکن پاکستان دشمن طاقتوں نے ایک خاص سازش کے تحت ہمیں آپس میں ایک دوسرے سے لڑا کر کمزور کر دیا ہے۔

(ب) دوسری شکل یہ ہے کہ مملکت کی آبادی بھی مسلمانوں کی ہو اور حکومت بھی ان کی اپنی لیکن حکومت ہو غیر اسلامی۔ یہ شکل ایک غلط مفروضہ کی پیدا کردہ ہے۔ اس لئے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی مملکت کے رہنے والے فی الواقعہ مسلمان ہوں اور ان کی حکومت غیر اسلامی ہو۔ اگر مسلمانوں کی اپنی مملکت ہے اور وہ ہیں بھی فی الواقعہ مسلمان' تو ان کی حکومت لازماً" اسلامی ہو گی۔ اگر پاکستان میں اس وقت تک اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکی تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ہم تو پکے اور سچے مسلمان تھے لیکن ایک گروہ مریخ سے اتر کر یہاں آجاتا تھا اور غیر اسلامی حکومت قائم کر کے' ہمیں اس کے تابع زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ ازمنہ قدیمہ میں تو ایسا ہوتا تھا کہ کوئی بیرونی طاقت کسی ملک پر حملہ آور ہو کر' وہاں کے رہنے والوں کو اپنے انداز کی حکومت کے تابع زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دے۔ ملوکیت اور استعمار میں بھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف حکومت کے تابع زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا جائے لیکن پاکستان میں تو ان میں سے کوئی بھی صورت نہیں۔ یہاں ہماری اپنی آزاد' خود مختار مملکت تھی (اور ہے) جس میں ہم اپنی منشاء کے مطابق حکومت قائم کر سکتے تھے (اور کر سکتے ہیں) لہٰذا اگر یہاں اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکی تو اس لئے کہ ہمارا شمار ان لوگوں میں تھا جن کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ "ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے تو ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت پر ایمان لائے لیکن وہ مومن ہوتے نہیں"۔ (2/8) اس سے مراد "منافقین" کا گروہ نہیں یہ ہمارے متعلق کہا گیا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ہر شخص اس کا اعتراف کرتا ہے۔ پوری کی پوری قوم اس کا رونا روتی ہے کہ ہم میں مسلمانوں کی کوئی بات نہیں۔ (یہ الگ بات ہے کہ ہمارے زعماء کرام اپنے آپ کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں) لہٰذا یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ کسی آزاد مملکت کے رہنے والے واقعی مسلمان ہوں اور ان کی قائم کردہ حکومت غیر اسلامی ہو یہ جو یہاں "اسلامی حکومت" قائم کرنے کے دعوے دار لٹھ لئے پھرتے ہیں ان کا مقصد اگر فی الحقیقت اسلامی حکومت قائم کرنا ہوتا تو ان کیلئے کرنے کا کام یہ تھا کہ پہلے اسلامی حکومت کا نہایت واضح تصور متعین کرتے اور پھر نہایت' پرامن' فکری طریق سے اس تصور کو عام کرتے چلے جاتے اور صحیح تعلیم و تربیت سے نئی نسل کے قلب و نگاہ میں اسلامی تبدیلی پیدا کرتے۔ اس سے آئین اور جمہوری انداز سے رفتہ رفتہ اسلامی حکومت قائم ہو سکتی تھی۔ لیکن انہوں نے قوم سے کہا کہ تم سب کافرانہ زندگی بسر کرتے ہو۔ صالحین ہم ہیں' اس لئے اقتدار ہمارے حوالے کرو تاکہ ہم یہاں اسلامی حکومت قائم کریں یہ حق کسی مامور من اللہ (نبی) کو پہنچ سکتا تھا کہ وہ جس معاشرہ میں پیدا ہو اسے غلط قرار دیکر' ان سے اپنی اطاعت کے عہد لے لیکن ختم نبوت کے بعد اس قسم کا حق کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے قوم' اس قسم کی ڈکٹیٹر

شپ تسلیم کرنے کیلئے تیار نہ ہوئی (نہ ہو سکتی تھی) وہ جب ان صالحین کو دیکھتی تو انہیں اپنے جیسا' اور اکثر اوقات اپنے سے بھی بدتر پاتی اس لئے وہ ان کے حق حکومت کو کس طرح تسلیم کر لیتی؟ پاکستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے مدعیوں اور باقی مسلمانوں میں جو کشمکش کئی سال سے مسلسل جاری ہے' اس کی اصل و بنیاد یہ ہے۔ اب جب اسلامی نظام قائم کرنے کے ان مدعیوں نے دیکھا کہ عوام ان کی "مقدس آمریت" تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتے تو انہوں نے شورش خیزیوں اور ہنگامہ آرائیوں کے وہی حربے استعمال کرنے شروع کر دیئے جو ہر ڈکٹیٹر اختیار کیا کرتا ہے۔

ہم ایک بار اس حقیقت کو پھر دہرا دیں کہ جس قسم کے ہم (مسلمان) ہیں اسی قسم کی ہماری حکومت ہو گی۔ اس وقت دنیا کے تمام "اسلامی ممالک" میں مسلمانوں کی حکومتیں ہیں اسلامی حکومت کہیں نہیں۔ اسلامی حکومت چند شرعی احکام کے نفاذ سے قائم نہیں ہو جاتی۔ اسلامی حکومت ان لوگوں کے ہاتھوں قائم ہوتی ہے جن کے قلب و نگاہ میں اسلامی روح سرایت کر چکی ہو۔ لہٰذا بحالات موجودہ' پاکستان یا دیگر اسلامی ممالک میں جہاں بھی حکومت قائم ہو گی وہ مسلمانوں کی حکومت ہو گی مسلمانوں کی حکومت کو اسلامی حکومت میں تبدیل کرنے کا طریق بڑا ہمت طلب اور صبر آزما ہو گا۔ یہ مقصد قوانین کی تبدیلی سے حاصل نہیں ہو سکے گا "انسانوں کی تبدیلی" سے حاصل ہو گا۔ اور انسانوں کی تبدیلی بتدریج صحیح قرآنی تعلیم و تربیت کے بغیر ممکن نہیں۔

لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم پاکستان میں مسلمانوں کی (جیسے کچھ بھی ہم ہیں) حکومت کو اہمیت نہیں دیتے۔ مسلمانوں کی اپنی آزاد مملکت بہرحال غیروں کی غلامی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس لئے کوئی ایسی حرکت جس سے اس مملکت کو ضعف پہنچے' ہمارے نزدیک قابل ستائش نہیں قرار پا سکتی۔ بنابریں اس مملکت میں گھیراؤ اور جلاؤ' یا شورشوں اور ہنگاموں سے کوئی تبدیلی کرنا' اسلامی طریق نہیں کہلا سکتا۔

اسلامی نظام قائم کرنے کیلئے' قلب و نگاہ میں جس قسم کی نفسیاتی تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے' اس کے لئے ہم اپنے آپ کو آمادہ نہیں پاتے۔ اس لئے کہ وہ تو اپنے آپ سے اور خارجی قوتوں سے مسلسل جہاد کرنے کی زندگی ہے۔۔۔ اور چاہتے یہ ہیں کہ "اسلامی حکومت" کیلئے کوئی شارٹ کٹ مل جائے اور ان کے نزدیک وہ شارٹ کٹ "مارو" ' "جلاؤ" ہے۔ ہم ان حضرات سے صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ آپ اپنے پیش نظر مقصد کے حصول کیلئے جونسا طریق جی چاہے اختیار کریں لیکن خدا کیلئے اس کو اسلام کی طرف منسوب نہ کریں۔

جو ہمارے ہاں عام ذہنیت پیدا کیا رہی ہے کہ حکومت کی جو بات بھی ناگوار گزرے اس کے خلاف سرکشی اختیار کر لی جائے' کبھی اسلامی نہیں کہلا سکتی۔ اسلامی تو ایک طرف' اسے عام معانی کے لحاظ سے جمہوری طریق بھی نہیں کہا جا سکتا۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ غریبوں کی بھوک مٹانے اور مفلسوں کی احتیاج ختم کرنے کا طریق "مارو اور جلاؤ" نہیں۔ یہ تخریب ہے۔ اس کا صحیح علاج اس نظام کو بدلنا ہے جس کی وجہ سے غریبوں اور مفلسوں کی یہ حالت ہو رہی ہے اور نظام کو بہرحال آئینی طریق ہی سے بدلنا چاہئے۔ جب یہ دروازہ ہمارے سامنے کھلا ہے تو پھر تخریبی راستے کیوں اختیار کئے جائیں! واضح رہے کہ اس وقت مختلف سیاسی پارٹیوں نے ہنگامہ آرائیوں کی جو روش اختیار کر رکھی ہے وہ بھی تخریبی ہے۔۔ اس وقت پاکستان کا سچا بہی خواہ اور اسلامی فریق کا متبع وہی ہو گا جو

(1) قوم کے نوجوانوں کو قانون کے احترام اور آئین و ضوابط کی پابندی کی تلقین کرے۔

(2) آئندہ انتخابات کیلئے امن کی فضا پیدا کرے۔

(3) انتخابات کیلئے قوم میں اس شعور کو بیدار کرے کہ کسی ایسے امیدوار کو ووٹ نہ دیا جائے جو کسی پارٹی سے وابستہ ہو۔ ووٹ اس امیدوار کو دیا جائے جس کی دیانت و امانت پر آپ اعتماد اور جس کی صلاحیتوں کا آپ کو علم ہو۔

اب ایک قدم اور آگے بڑھیئے۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ انتخاب لاکھ دیکھ بھال کر کیجئے' جب منتخب شدہ لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار آجاتا ہے تو وہ بگڑ جاتے ہیں۔

یہ درست ہے لیکن اس کا علاج ان کے خلاف ہنگامہ آرائی نہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ آئین میں ایسی شق رکھی جائے کہ جس شخص کو جن لوگوں نے منتخب کیا ہے وہ کسی پارلیمان کا رکن ہو یا وزیر (اور وزیراعظم) حتیٰ کہ وہ صدر مملکت بھی کیوں نہ ہو۔۔ وہ اگر غلط قدم اٹھائے اور اس طرح ان لوگوں کا اس پر اعتماد اٹھ جائے' تو وہ اسے اسی آئینی طریق سے اس کی نشست یا منصب سے الگ بھی کر سکیں۔ یہ اصول تسلیم کر لیا جائے تو آئین میں اس کے لئے مؤثر طریق کار کی صراحت کی جا سکتی ہے یہ کچھ مشکل کام نہیں۔

اس سے اگلا (اور سب سے اہم) سوال یہ سامنے آتا ہے کہ غلط اور صحیح کے پرکھنے کا معیار کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اس لئے اس میں غلط اور صحیح یعنی حق اور باطل کے پرکھنے کا معیار بھی اسلام ہی ہونا چاہئے۔ اور یہی ہے وہ چیز جو اس وقت سب سے زیادہ مشکل پیدا کر رہی اور ملک میں فتنہ و فساد کا موجب بن رہی ہے۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو اس باب میں اتھارٹی سمجھتا ہے۔ اور مذہبی پیشوائیت اپنے آپ کو اتھارٹی ہی نہیں بلکہ اجارہ دار تصور کرتی ہے۔ یہ طریق قطعاً" اسلامی نہیں۔ اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ جس کا جی چاہے اس باب میں اتھارٹی بن بیٹھے۔ خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو۔ اسلامی نظام میں اس قسم کی اتھارٹی صرف اس ادارہ کو حاصل ہو سکتی ہے جسے حکومت کی طرف سے اس مقصد کیلئے مقرر کیا جائے۔ ہم سمجھتے کہ بحالات موجودہ' یہ اتھارٹی' عدالت عالیہ (سپریم کورٹ) کے سپرد کر دینی چاہئے۔ جب بھی کسی معاملہ میں یہ سوال پیدا ہو کہ وہ اسلام کے مطابق ہے یا اس کے خلاف' تو اسے عدالت عالیہ کی طرف (Refer) کیا جائے علماء حضرات چاہیں تو اس میں بحیثیت وکیل جائیں اور اپنا مؤقف پیش کریں۔ لیکن فیصلے کا حق اسی عدالت کو حاصل ہو۔ اور جو فیصلہ وہاں سے نافذ ہو وہ سب کے نزدیک واجب التسلیم ہو۔ کسی فرد یا جماعت کو اس کا حق حاصل نہ ہو کہ وہ معاملات کے اسلامی اور غیر اسلامی ہونے یا افراد کے کفر و ایمان کے فتوے صادر کرے اور اس طرح ملک میں مسلسل فساد برپا کرنے کا سامان فراہم کئے چلے جائیں۔ آئین میں اس کی وضاحت اور اس کیلئے طریق کار کا تعین ضروری ہے۔

یہ ہے ہماری بصیرت کے مطابق' اس ملک کیلئے سلامتی کی راہ۔ اگر اس راستے کو اختیار نہ کیا گیا تو پھر ہماری مقدس آرزؤں کے باوجود یہ ملک سلامت نہیں رہ سکے گا۔ اور یہ کام بہت جلد کرنے کا ہے۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھ رہے کہ اس وقت ملک میں' مختلف ناموں سے' تخریبی کاروائیوں پر جتنا کچھ خرچ ہو رہا ہے اور اس سے جتنی تیزی سے یہ آگ پھیلائی جا رہی ہے اس کی روک تھام میں ذرا سی تاخیر ہمیں کہاں پہنچا دے گی؟ آپ کے کرنے کا کام یہ ہے کہ آپ شورشوں' ہنگاموں' جلوسوں' ہڑتالوں' الزام تراشیوں اور دشنام طرازیوں میں کسی فرد یا پارٹی کا ساتھ نہ دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ اس طرح' ان قوتوں کی ملعون سازشیں جن کی آنکھوں میں پاکستان خار کی طرح کھٹکتا ہے اور وہ اس کی تباہی اور بربادی کے درپے ہیں کس طرح خاصر و ناکام رہ جائیں گی اور وہ خود کس قدر ذلیل و خوار ہو جاتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے دوست سنائے جا' بھولے ہوئے افسانے

شہدائے جنگ ستمبر 1965ء کی یاد میں!

زندہ قومیں' ان واقعات کی یاد تازہ کرنے کی تقاریب' جنہوں نے انہیں حیات تازہ عطا کی ہو' بڑے خلوص و احترام' تزک و احتشام' اور جوش و خروش سے مناتی ہیں۔ تاریخ پاکستان میں دو واقعات ایسے گذرے ہیں جنہوں نے ہمیں فی الواقعہ حیات تازہ عطا کی تھی۔ ایک یوم آزادی اور دوسرا' ستمبر 1965ء کی جنگ---- چونکہ ہم خود ہی زندگی کی حرارت سے محروم ہو رہے ہیں' اس لئے ان حیات بخش واقعات کی' ان کے شایان شان' یاد منانا تو ایک طرف' رفتہ رفتہ انہیں حافظہ سے محو کئے جا رہے ہیں-- مردے اپنی سالگرہ نہیں منایا کرتے۔

لیکن

طلوع اسلام کے نزدیک تو ان عظیم واقعات کا شمار "ایام اللہ" میں ہوتا ہے' اس لئے ان کی یاد تازہ رکھنا اپنا فریضہ سمجھتا ہے۔ اس مقصد کے لئے یہ ہر سال' جنگ ستمبر' کی یاد میں خصوصی مقالات شائع کرتا رہتا ہے جو بالعموم مبنی ہوتے ہیں پرویز صاحب کے خطابات پر۔

امسال وہ چند ایسی یاد داشتیں ہدیہ قارئین کر رہا ہے' جن کا شمار نوادرات میں ہونا چاہئے۔ امید ہے ان سے ہمارے عروق مردہ میں کچھ تو حرارت پیدا ہو گی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شائع شدہ طلوع اسلام بابت نومبر 1965ء

شہر کے لوگ

پرویز صاحب کی تقریر جو انہوں نے 20 اکتوبر 1965ء کی شب ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر کی۔

جب سے سورج نے اپنی آنکھ کھولی ہے زمین کا سلسلہ روز و شب جاری ہے۔ عام حالات میں رات اور دن کی اس گردش لامتناہی کی کیفیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی کہ:۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یونہی تمام ہوتی ہے

لیکن صبح و شام کے اس بے حرکت و بے رنگ سلسلہ میں، بعض دن ایسے بھی آجاتے ہیں جنہیں خدا نے ایام اللہ کہہ کر پکارا ہے۔ یعنی خدا کے اپنے دن۔ یہ "خدا کے اپنے دن" وہ ہیں جن میں حق و باطل کا کوئی فیصلہ کن معرکہ رونما ہوا ہو۔ گزشتہ ستمبر کے سترہ دن ہمارے ہاں بھی ایسے آئے جنہیں بجا طور پر ایام اللہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، ان میں حق و باطل کا وہ قیامت خیز معرکہ سرزد ہوا جس نے پاکستان کی تاریخ ہی کے نہیں بلکہ اسلام کی تاریخ کے صفحات پر اپنا نقش دوام اس طرح ثبت کر دیا ہے کہ گردش لیل و نہار کا کوئی حادثہ اسے محو نہیں کر سکتا۔ اس معرکہ میں ہم نے کیا کچھ حاصل کیا۔ اس کی تفاصیل کا بیشتر حصہ اس وقت تک آپ کے سامنے آچکا ہے اور باقی ماندہ آہستہ آہستہ سامنے آتا رہے گا۔ دشمن کا سینکڑوں میل پر مشتمل رقبہ ہمارے قبضہ میں ہے۔ ہم نے اس کے لاتعداد ٹینک تباہ کر دیئے اور متعدد صحیح و سالم ہماری گرفت میں ہیں۔ ہم نے اس کے سینکڑوں طیاروں کے پر نوچ ڈالے اور بیسیوں ہمارے ہاں پابند قفس ہیں۔ اس کے بے شمار قیدی محبوس ہوئے اور بے حد و نہایت اسلحہ اور دیگر سامان ہمیں بطور غنیمت ملا۔ یہ سب فتوحات بڑی قیمتی ہیں جن پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں لیکن ان سب سے زیادہ بیش قیمت متاع ایک اور ہے جو ہمیں اس جنگ سے حاصل ہوئی، وہ متاع بے بہا یہ ہے کہ ہم نے خود اپنے آپ کو پا لیا۔ صدیوں سے ہماری قوم اپنی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ اسے اپنے آپ کا علم ہی نہیں تھا۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کے اندر کس قدر ممکنات زندگی مضمر ہیں۔ اسے احساس تک نہیں تھا کہ وہ کیسی محیر العقول خصوصیات کی حامل ہے۔ وہ کیا کچھ کر سکتی ہے۔ اسے اس کا مطلقاً اندازہ نہیں تھا۔ ہم پانچ ستمبر کی شام کو سوئے تو اسی قوم کے افراد تھے۔ لیکن جب 6 ستمبر کی صبح کو بیدار ہوئے تو وہ کوئی اور ہی قوم تھی۔ ریاض خیر آبادی نے کہا تھا کہ:۔

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دور
نکلے جو میکدہ سے تو دنیا بدل گئی!

6 ستمبر کی صبح دشمن کی توپوں کی گرج نے جو فضا کے پردے چاک کئے ہیں تو ہمارے سامنے ایک اور ہی دنیا تھی۔ 1947ء کے قیامت خیز ہنگاموں میں ہمیں اپنے آپ کی تھوڑی سی جھلک دکھائی دی تھی، لیکن اس کے بعد ہم

اپنی نگاہوں سے یکسر اوجھل ہو گئے۔ نتیجہ اس کا یہ کہ دنیا کی کوئی خرابی ایسی نہیں تھی جو ہمیں اپنے اندر دکھائی نہ دیتی ہو۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہم میں بعض خرابیاں فی الواقعہ موجود تھیں۔ لیکن ایک مسلسل پروپیگنڈے نے ہمارے اندر ایسا احساس کمتری پیدا کر دیا تھا کہ ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ ہم دنیا کی ناکارہ ترین قوم ہیں' ہم میں کوئی خوبی ہی نہیں۔ ہم کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ رفتہ رفتہ ہمیں اپنے آپ سے نفرت ہو گئی۔ ہمیں پاکستانی کہلاتے ہوئے شرم محسوس ہونے لگی۔

اس احساس کمتری کو دور کرنے کے لئے قرآن کریم کی راہنمائی ہمارے سامنے تھی۔ وہ ہمیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہہ رہا تھا کہ: **ولا تحزنوا وانتم الا علون ان کنتم مومنین**.. 3/138 تم گھبراتے کیوں ہو۔ تم افسردہ خاطر کیوں ہوتے ہو۔ اگر تم قوانین خداوندی کی صداقت پر یقین محکم رکھ کر خود اعتمادی پیدا کر لو' تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ وہ ہم سے بار بار کہتا تھا کہ تم اپنی تعداد کی کمی سے مت گھبراؤ۔ **ان یکن منکم عشرون صبرون یغلبوا مائتین**-(8/65) اگر تم میں بیس ثابت قدم مجاہد ہوئے تو وہ دشمن کے دو سو سپاہیوں پر غالب آجائیں گے۔ ہم ان آیات کو پڑھتے اور ان کی تلاوت کا ثواب حاصل کر کے قران کو پھر بالائے طاق رکھ دیتے۔ تاریخ میں ہمارے سامنے ہمارے اسلاف کے وہ محیر العقول کارنامے آتے جنہیں ہمارے لئے نمونہ بننا تھا۔ ہم ان کارناموں کو پڑھتے تو اپنی بے عملی اور دوں ہمتی کو اس خود فریبی کے پردے میں چھپا کر آگے بڑھ جاتے کہ یہ سب کچھ معجزات اور کرامات کی رو سے ہوا تھا۔ اب وہ معجزے کس سے سرزد ہو سکتے ہیں؟

ہمارا حکیم الامت ہم سے بار بار کہتا کہ: ؎

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

لیکن ہم اسے ایک شاعر کا سہانا خواب کہہ کر حوالہ طاؤس و رباب کر دیتے۔ یہ کچھ ہوتا رہا' اور ہم بدستور سوئے رہے لیکن 6 ستمبر کی صبح توپوں کے ایک ہی دھماکے نے ہماری آنکھیں کھول دیں اور قوم کے تحت الشعور میں خوابیدہ قوتیں اس طرح ابھر کر سامنے آگئیں جس طرح بربط کے خاموش تاروں میں چھپے ہوئے نغمے' مضراب کی ایک ضرب سے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیتے ہیں۔ ہم نے اپنے ثریا شکار طیاروں کے جانفروش شاہین بچوں کو دیکھا تو وہ اس حقیقت کی عملی تفسیر تھے کہ: ؎

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

ہم نے اپنی بری اور بحری فوجوں کے جانبازوں پر نگاہ ڈالی تو ان کا جوش عمل پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ: ؎

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لا تخف

ہم نے اپنی قوم کی طرف دیکھا تو وہ' ہمت' استقامت' عزم' ایثار' بلند حوصلگی' کشادہ **نگہی**' خود فراموشی اور اقدار پرستی کی چلتی پھرتی تصویر تھی۔ قوم کیا تھی۔ ایک ٹیم تھی' جس کے ہر کھلاڑی کے سامنے ایک ہی مقصد تھا۔ یعنی اپنی ٹیم کی کامیابی اور فریق مقابل کی شکست۔ آسمان کی آنکھ اس قوم کو دیکھ کر ششدر و حیران تھی اور اسے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی قوم ہے جسے اس نے گزشتہ شب کی تاریکی میں لپیٹ کر سلایا تھا!

یہ ہے برادران عزیز! وہ متاع بے بہا جو ہمیں اس معرکہ حق و باطل سے حاصل ہوئی ہے۔ ہم نے اپنے آپ کو پا لیا ہے۔ قرآن کریم نے کہا تھا: **وفی انفسکم افلا تبصرون**- (51/21) تم معجزات اور کرامات کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہو۔ تم خود اپنے اندر جھانک کر دیکھو۔ اس میں تمہیں ایسی ایسی محیر العقول قوتیں نظر آئیں گی جن کا تم قیاس و گمان بھی نہیں کر سکتے۔ ہم نے

اپنے اندر جھانک کر دیکھا تو فی الواقعہ وہاں ان قوتوں کا بے بہا ذخیرہ تھا۔ ان سے ہمیں اس حقیقت کا اندازہ ہوا کہ ہمارے اسلاف سے جو معجزانہ کارنامے سرزد ہوئے تھے وہ ان کے ذوق یقین اور جوشش کردار کے مظاہرے تھے۔ وہی معجزے ہم سے بھی سرزد ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ہمیں بھی اپنے مقصد کی صداقت پر یقین محکم حاصل ہو' اور اس مقصد کے حصول کے لئے جذبہ عمل بیدار۔ اس سے وہ حقیقت بھی ہمارے سامنے آگئی جسے علامہ اقبالؒ نے ان الفاظ میں پیش کیا تھا کہ :۔

محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
ہے بندۂ آزاد خود اک زندہ کرامات

سوال یہ ہے کہ ان بے پناہ قوتوں کو جو ہم میں ہنگامی طور پر بیدار ہوئی ہیں' مستقل متاع حیات کیسے بنایا جائے؟ ہمارے مستقبل کا دارومدار اسی سوال کے اطمینان بخش جواب پر ہے اور یہ جواب قرآن کے سوا اور کہاں سے مل سکتا ہے؟

والسلام
(بشکریہ ریڈیو پاکستان)

ان ایام اللہ میں اب 28 مئی بھی شامل کر لیجئے کہ جس دن معجزات و کرامات کی خوگر قوم نے ایٹمی دھماکے کر کے پوری دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ (مدیر)

The Book " Sir Syed Ahmed Khan as an Educationist" by Shamim Anwar is available for sale with Tolu-e-Islam Trust

"کیا سنی' کیا شیعہ؟ میں تو صرف مسلمان ہوں"

جناب شریف الدین پیرزادہ سابق اٹارنی جنرل و وزیر قانون پاکستان نے درج ذیل واقعہ قلمبند کیا:

"غالباً" کانپور میں کسی احراری نے قائداعظمؒ سے سوال کیا: "آپ شیعہ ہیں یا سنی؟" قائداعظمؒ نے اس شخص سے سوال کیا "تم بتا سکتے ہو کہ پیغمبر اسلام ﷺ کیا تھے؟" احراری کہنے لگا "وہ مسلمان تھے"۔ قائداعظمؒ نے کہا "پھر میں بھی مسلمان ہوں"۔ قائد نے ایک واقعہ سنایا کہ ایک ہندو بیرسٹر مشرف بہ اسلام ہوا تو کئی مسلمان اسے مبارک باد دینے گئے۔ کچھ دنوں بعد لوگوں نے اس سے پوچھا کہ "آپ شیعہ ہیں یا سنی؟" تو اس نے جواب دیا "ذات پات ختم کرنے اور یگانگت پیدا کرنے کے لیے تو میں مسلمان ہوا ہوں آپ پھر مجھے ان قبیلوں میں دھکیل رہے ہیں"۔

(اقتباس مقام و احترام قائداعظمؒ از محمد سلیم ساقی)

تفصیل عطیات برائے حصول مستقل درس گاہ قرآنی کراچی

نمبر شمار	نام معطی صاحبان	رقم
-1	محترم محمد مختار صاحب (کراچی)	=/1,000 روپے
-2	محترم قدیر احمد خان نمائندہ بزم طلوع اسلام کوئٹہ	=/2,000 روپے
-3	محترم عبید الرحمٰن ارائیں نمائندہ بزم طلوع اسلام کویت	=/1,000 روپے
-4	محترم مرزا محمود احمد اسٹوڈنٹ کلاس VI (کراچی)	=/100 روپے
-5	محترمہ رشیدہ سلیم صاحبہ (کراچی)	=/100 روپے
-6	محترم محمد افتخار الحق (کراچی)	=/1,500 روپے
-7	محترم محمد مختار (کراچی)	=/1,000 روپے
-8	محترم محمد آصف نوی والہ (کراچی)	=/200 روپے
-9	محترم غلام خان معرفت طلوع اسلام ٹرسٹ (لاہور)	=/600 روپے
-10	محترمہ اختر خالد سلام صاحبہ (کینیڈا)	=/500 روپے
-11	محترم پروفیسر خالد سلام صاحب (سعودی عرب)	=/1,000 روپے
-12	محترم حاجی مقبول احمد (کراچی)	=/5,000 روپے
-13	محترم جہاں زیب پی اے ایف	=/100 روپے

کراچی کے حالات جاننے والے حضرات آگاہ ہیں کہ کراچی میں اپنی درسگاہ نہ ہونے کی وجہ سے قرآنی فکر کو آگے بڑھانے میں کتنی مشکلات پیش آرہی ہیں اور وابستگان تحریک کن کن مشکلات سے دوچار ہیں۔ اندریں حالات صاحبان ثروت سے بار دگر التماس ہے کہ وہ کراچی میں درس گاہ قرآنی کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

عطیات براہ راست ڈالر اکاؤنٹ نمبر1-31437 حبیب بینک لمیٹڈ عبداللہ ہارون روڈ برانچ کراچی اور ادارہ طلوع اسلام لاہور اکاؤنٹ نمبر54-3972 حبیب بینک لمیٹڈ مین مارکیٹ گلبرگ برانچ لاہور اور نقد رقوم نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر جناب محمد اقبال صاحب کو بطور عطیہ دے سکتے ہیں۔

محمد اقبال
نمائندہ بزم طلوع اسلام
کراچی صدر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبید الرحمان ارائیں۔ کویت

ختم نبوت

دین کی تکمیل اور نوع انسانی کی حقیقی آزادی کا پیغام ہے

پرچہ آپ تک پہنچے گا تو ہم اپنی آزادی کی گولڈن جوبلی کے بعد ایک اور سالگرہ منا چکے ہونگے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی ولولہ انگیز قیادت میں 14 اگست 1947ء کو ہم نے اپنی مقدس آرزوؤں کی تکمیل کے لئے ایک خطہ زمین حاصل کر لیا مگر ہماری بدقسمتی کہ ہم نے قبلہ نما ہی کو قبلہ سمجھ لیا اور منزل مقصود تک جانے والا اگلا قدم نہ اٹھا سکے۔ نتیجہ یہ کہ ہم ابھی تک دوسروں کے دست نگر ہیں یا نقال۔ سیاسی میدان میں ہم مغربی جمہوریت کی بھول بھلیوں میں یوں الجھ کر رہ گئے ہیں جیسے اسلام کا اپنا کوئی سیاسی نظام سرے سے موجود ہی نہ تھا۔ یہی صورت حال ہمارے معاشی اور ثقافتی طرز عمل کی ہے یہاں بھی ہم یہود و ہنود کے سودی نظام کو اپنائے رکھنے پر بضد ہیں یا اپنے آپ کو تہذیب مغرب کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے بیتاب۔ آزاد ملک کے آزاد شہریوں میں بہت کم ایسے ہونگے جو سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، ہمارا اپنا دین (نظام حیات) ہے جسے خالق کائنات کی طرف سے قابل عمل اور مکمل ہونے کی سند حاصل ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ماضی میں یہ نظام پوری کامیابی سے عملاً نافذ کیا جا چکا ہے۔

آج سے چودہ سو سال پہلے کا وہ دور نگاہوں کے سامنے لایئے۔ سرزمین عرب میں افکار و کردار کا وہ کون سا زاویہ اور عقائد و اعمال کا وہ کونسا گوشہ تھا جس میں فساد رونما نہ ہو چکا ہو۔ معاشرتی، معاشی، عائلی اور تمدنی زندگی کی وہ کونسی بساط تھی جس میں فتور نہ آچکا ہو انسان اپنے ہی تخلیق کردہ بے شمار خداؤں کا غلام تھا۔ ایسے میں حضور نبی اکرمؐ، اللہ کی طرف سے نظام عدل و حریت کا ایک ایسا پروگرام لیکر اس دنیا میں تشریف لاتے ہیں جو انسان کو دنیا بھر کی غلامی سے آزادی دلانے کے لئے کافی تھا۔ اس کے بعد دنیا کو نہ کسی نئے آئین کی ضرورت تھی نہ کسی دوسرے آئین لانے والے رسول کی حاجت۔

ہمیں حیرت ہے تو اس بات کی کہ یہ وہ حقیقت ہے جس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ ہر مسلمان یہ جانتا اور سمجھتا ہے کہ صحرائے عرب کے باسیوں نے اس نظام کو اپنایا تو وہ بہت ہی قلیل عرصے میں بحر و بر پر چھا گئے اور یہی وہ نظام حیات ہے جسے اپنانے کی تمنا دل میں لئے ہم نے اپنے لئے آزاد وطن کے حصول کے لئے جدوجہد کی تھی لیکن یہاں پہنچ کر ہمیں نہ اپنا عہد یاد رہا نہ پیمان۔ نتیجہ یہ کہ آج اکاون سال گذر جانے کے باوجود ہم در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

اس اعلان کے بعد کہ اسلام ایک مکمل دین ہے، انسان کی ساری مشکلات کا حل اس میں موجود ہے اور انسانی راہنمائی کے لئے جو ہدایات دی جانی مقصود تھیں وہ قرآن کریم میں لکھ دی گئیں ہیں۔ قرآن کی صداقتوں پر ایمان لانے والوں سے کہہ دیا گیا کہ تم ایسا معاشرہ قائم کرو جس میں قرآن کے اصول و احکام ہمیشہ غیر متبدل

رہیں۔ اس کا نام اسلامی نظام زندگی یا حکومت خداوندی ہے اور اسی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے دنیا و آخرت کی سرفرازیاں نصیب ہو سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی اتھارٹی ایسی نہیں جو تمہاری آزادی پر کس قسم کی کوئی پابندی عائد کر سکے۔ اب کوئی انسان آکر تم سے یہ نہیں کہہ سکے گا کہ تمہارے خدا نے تمہیں یہ حکم دیا ہے۔ خدا نے جو حکم دینا تھا وہ قرآن کریم میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ قرآن ہمیشہ کے لئے خدائے زندہ کی کتاب زندہ ہے اور اسی کی وساطت سے نبوت محمدیہ تمام نوع انسانی کے لئے آخر تک زندہ و پائندہ ہے۔ اب انسانیت کے مقام بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراط مستقیم ہے جس پر اس ذات اقدس کے نقوش قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں لہٰذا ختم نبوت تکمیل دین کا اعلان تو ہے ہی یہ انسان کے لئے سچی، حقیقی اور کبھی ختم نہ ہونے والی آزادی کا پیغام بھی ہے۔

منہ سے جو بات نکلی اس پر عمل کیا

چار لاکھ روپے کے فنڈ سے 2 لاکھ احمد آباد کے مسلمانوں کو واپس کر دیئے

"1946ء کا واقعہ ہے۔ ہندوستان میں صوبائی الیکشن ہونے والے تھے۔ قائداعظمؒ زیارت میں تھے۔ احمد آباد (گجرات) کے مسلمانوں کا ایک وفد ان کے پاس یہ درخواست لے کر آیا کہ احمد آباد آکر جلسہ عام سے خطاب کریں۔ اس وقت مسلمانوں کی کمزوری پیسہ تھی۔ روپیہ پیسہ ہندوؤں کے پاس تھا۔ مسلمان غریب قوم تھی۔ قائداعظمؒ نے کہا کہ الیکشن کے لئے دو لاکھ روپیہ جمع کرو تو میں احمد آباد آجاؤں گا۔ مسلمانوں نے اسی روز دو لاکھ روپیہ جمع کرنے کی مہم شروع کر دی۔ لوگوں نے دل کھول کر چندہ دیا۔ ایک حجام نے انوکھا طریقہ اختیار کیا۔ اس نے اعلان کیا کہ وہ اس روز کی ساری کمائی قائداعظمؒ فنڈ میں دے دے گا۔ اس کے اس اعلان پر اس روز زیادہ سے زیادہ لوگوں نے اسی دکان سے بال کٹوائے اور شیو بنوائی۔ شام کو حجام نے سارے دن کی کمائی تیس روپے قائداعظمؒ فنڈ کو دے دیئے۔ اگلے روز کئی حجاموں، پان، سگریٹ فروشوں، ہوٹلوں، لانڈریوں وغیرہ نے ایک دن کی کمائی قائداعظمؒ فنڈ میں دینے کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد دوسرے دکانداروں نے بھی ایسے ہی اعلان کیے۔ احمد آباد کے مسلمانوں نے یہاں تک کیا کہ گھروں کی قیمتی چیزیں دکانوں پر رکھ دیں اور ساتھ پرچیاں لگا دیں کہ ان کی قیمت قائداعظمؒ فنڈ میں جائے گی۔ پیسے والے مسلمانوں نے یہ چیزیں منہ مانگے داموں خرید لیں اور یہ ساری رقم قائداعظمؒ فنڈ میں جمع ہوئی۔ بعض لوگوں نے یہ طریقہ بھی اختیار کیا کہ گھروں سے بیش قیمت چیزیں اٹھا کر مسجدوں میں لے گئے اور نیلام کیں۔

ایک ماہ بعد قائداعظمؒ کو اطلاع دی گئی کہ رقم جمع ہو گئی ہے۔ قائداعظمؒ احمد آباد گئے۔ جلسہ ہوا۔ احمد آباد کے مسلمانوں نے قائد کو دو لاکھ کے بجائے چار لاکھ روپے کی تھیلی پیش کی۔

"میں نے دو لاکھ کا مطالبہ کیا تھا"..... قائداعظمؒ نے دو لاکھ روپیہ واپس کرتے ہوئے کہا ....."باقی دو لاکھ روپے یہاں کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کیا جائے"۔

(مضمون "بھارت میں پاکستان" ماہنامہ "حکایت" ستمبر 1986ء)

تفصیل عطیات برائے ختم نبوت فنڈ

نمبر شمار	نام معطی صاحبان	رقم
-1	محترم عبدالقدوس رامے (ناروے)	2,640/= روپے
-2	محترم فرحان عطاء ارائیں (لاہور)	1,000/= روپے
-3	محترمہ روحی ریاض (لاہور)	100/= روپے
-4	محترم محمد عالم خان (میانوالی)	20/= روپے
-5	محترم محمد سلیم ساقی (لاہور)	500/= روپے
-6	بزم طلوع اسلام (ملتان)	5,000/= روپے
-7	محترم طارق عزیز (لندن)	1,825/= روپے
-8	محترم محمد حنیف کالو (بزم لندن)	3,625/= روپے
-9	محترم محمد صغیر دتو (بزم لندن)	3,625/= روپے
-10	محترم فاروق دتو (بزم لندن)	3,625/= روپے
-11	محترم تصویر دتو (بزم لندن)	3,625/= روپے
-12	محترم چوہدری محمد اعظم (موضع ڈنگہ)	500/= روپے
-13	بزم طلوع اسلام خواتین (لاہور)	1,000/= روپے

پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی

ایگزیکٹو ہیڈ

طلوع اسلام ٹرسٹ

عطیات براہ راست اکاؤنٹ نمبر 4107-35 حبیب بینک لمیٹڈ مین مارکیٹ گلبرگ برانچ لاہور میں بھی بھجوائے جاسکتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بشیر احمد عابد۔ (کویت)

فروغ تعلیم۔ ایک اہم دینی و قومی فریضہ!

پاکستان کے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے قوم سے اپیل کی ہے کہ صاحب حیثیت لوگ تعلیم کے فروغ میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں اور جو بچے مالی مشکلات کی وجہ سے تعلیم حاصل نہیں کر سکتے ان میں سے کم از کم ایک بچے کی مدد کر کے اسے تعلیم یافتہ بنائیں۔

بلاشبہ فروغ تعلیم ہم سب کا ایک اہم دینی و قومی فریضہ ہے۔ اسے ہر حال میں ذمہ داری کے ساتھ نبھانا چاہئے۔ اس وقت جو صورت حال ہے وہ انتہائی مایوس کن ہے۔ قوم کی اکثریت غیر تعلیم یافتہ ہے۔ ہم جدھر بھی نگاہ اٹھاتے ہیں ارد گرد جہالت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی دیتا ہے۔ قوم کی معاشی و معاشرتی زندگی پر اس جہالت کے بھیانک اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ وطن عزیز کو جن گوناگوں مسائل کا سامنا ہے ان کے پیچھے اس جہالت کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ جہالت نہ صرف مسائل کو جنم دیتی ہے بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ انہیں پیچیدہ اور مشکل بھی بنا دیتی ہے۔ ہمیں اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ جب تک ملک میں تعلیم عام نہیں ہو جاتی اور ہم جہالت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک نہیں دیتے ہمارا ملک ترقی و خوشحالی کی منزل حاصل نہیں کر سکے گا۔

تعلیم انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کرتی ہے اور اسے اس قابل بناتی ہے کہ وہ اپنے روزمرہ کے مسائل خود حل کر سکے۔ تعلیم سے انسان کے اندر حوصلہ و اعتماد پیدا ہوتا ہے اور وہ مشکلات و مصائب کا سامنا صبر و تحمل سے کرتا ہے۔ تعلیم انسان کے فہم و ادراک کو تیز کرتی ہے اور وہ مسائل کا نہایت حسن کارانہ انداز میں حل تلاش کر سکتا ہے۔ تعلیم یافتہ لوگ شائستہ و منظم زندگی بسر کرتے ہیں اور نعمائے زندگی سے جی بھر کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ جن معاشروں میں تعلیم عام اور معیاری ہوتی ہے وہاں زندگی زیادہ حسین و خوشگوار ہوتی ہے۔ لوگوں کے معاشرتی روابط اور رویے دلکش و نفیس ہوتے ہیں اور ہر فرد سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کے برعکس جہالت میں لوگ اپنا سب کچھ ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ ان میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے اور وہ کوئی کام بھی اپنے اختیار و ارادہ سے نہیں کر سکتے۔ چالاک اور شاطر لوگ ان کا خوب استحصال کرتے ہیں' ان کی محنت کی کمائی کو آسانی سے ہڑپ کر جاتے ہیں اور انہیں قدم قدم پر دھوکہ و فریب دیتے رہتے ہیں اور انسان آزاد ہوتے ہوئے بھی ان استحصالی قوتوں کا غلام بن کر رہ جاتا ہے۔ ہماری سوسائٹی چونکہ جہالت سے لبریز ہے اس لئے یہاں اس نوع کا استحصال عام ہے۔ حکمران' جاگیردار' سرمایہ دار' مذہبی پیشوا غرضیکہ جو بھی الف ب جانتا ہے وہ اس کا خوب استحصال کرتا ہے جو الف ب نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو منفرد ذہنی و جسمانی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ اسی تقسیم سے منشائے خداوندی یہ

تھا کہ انسانی معاشرے میں ہر نوع کا کام خوش و اسلوبی سے سرانجام پائے۔ ہم جانتے ہیں کہ معاشرے میں مختلف نوعیت کے کام ہوتے ہیں۔ بعض کام ذہنی صلاحیتوں کے متقاضی ہوتے ہیں اور بعض کے لئے جسمانی محنت درکار ہوتی ہے اگر سب انسان یکساں صلاحیتوں کے مالک ہوتے تو پھر کئی کام سرانجام نہ دیئے جا سکتے اور معاشرہ ترقی و خوشحالی کی منازل کبھی طے نہ کر سکتا۔ انسان کو قدرت کی طرف سے یہ صلاحیتیں غیر نشوونما یافتہ شکل میں عطا ہوتی ہیں۔ تعلیم و تربیت کے ذریعے نشوونما ان کی خود کرنا پڑتی ہے۔ جو لوگ اپنی صلاحیتوں کی بہتر طور پر نشوونما کرتے ہیں وہ بہتر زندگی بسر کرتے ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جو ایسا نہیں کر پاتے۔ اگر معاشرے میں حصول تعلیم کی سہولتیں عام نہ ہوں تو بہت سارے لوگ بہتر زندگی بسر کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اگر تعلیمی نظام اقدار خداوندی کے تابع نہ ہو تو بھی ان پڑھ لوگوں کے لئے زندگی دشوار بن جاتی ہے کیونکہ اقدار خداوندی سے عاری تعلیم یافتہ لوگ درندوں سے بدتر ثابت ہوتے ہیں۔ وہ ان پڑھ اور سادہ لوح لوگوں کی رہنمائی اور مدد کرنے کی بجائے ان کے لئے قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں۔ ان کے خون پسینہ کی کمائی پر ڈاکہ ڈالتے ہیں' انہیں ظلم و استحصال کا نشانہ بناتے ہیں اور ان کے لئے جینا دو بھر کر دیتے ہیں۔ ہمارے معاشرہ میں یہ ظلم عام ہے اس پر زیادہ روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ آپ خود گھر سے باہر نکل کر دیکھ لیجئے کہ کون کس کا استحصال کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے؟ آپ کو اپنے سوالوں کا جواب بلا دقت مل جائے گا۔

ہمارے معاشرے میں ظلم و استحصال کی بنیادی وجہ تعلیم کا فقدان ہے۔ یہاں نہ تو تعلیم عام ہے اور نہ ہی نظام تعلیم معیاری ہے۔ اس تعلیمی نظام میں نہ تو معاشرتی اقدار کو اہمیت حاصل ہے اور نہ ہی اقدار خداوندی کا احترام سکھایا جاتا ہے۔ نتیجے کے طور پر اس نظام سے جو لوگ پڑھ لکھ کر فارغ ہوتے ہیں وہ ان پڑھ لوگوں سے بھی بدتر انسان ثابت ہوتے ہیں اور معاشرے میں اصلاح کی بجائے فساد کا موجب بن جاتے ہیں۔ ان کے دل میں انسانیت کے لئے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ ان پر ہمیشہ ذاتی مفاد مسلط رہتا ہے جس کے حصول کے لئے یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اس وقت مغربی معاشروں کو ہمارے معاشرے پر جو تہذیبی' ثقافتی اور اقتصادی سبقت حاصل ہے اس کی وجہ ان کا بہتر اور معیاری تعلیمی نظام ہے۔ ان کا تعلیمی نظام یونیورسل اور اعلیٰ اخلاقی اقدار پر قائم ہے۔ اگر یہ نظام تعلیم اقدار خداوندی کے تابع ہوتا تو یہ پوری نوع انسانیت کے لئے مفید ہوتا۔ لیکن چونکہ قرآن کی تعلیمات صحیح طور پر نہیں پہنچ پائیں اس لئے ان کے تعلیمی نظام کے فوائد ان کے اپنے لوگوں تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان کے نزدیک یونیورسل اور اعلیٰ اخلاقی اقدار سے مراد ان کا اپنا معاشرہ ہوتا ہے مگر ہمارا معاشرہ تو ان جیسے تعلیمی نظام کا بھی حامل نہیں۔ یہاں نہ تو تعلیم یونیورسل ہے اور نہ ہی اخلاقی اقدار کی کوئی وقعت ہے۔ یہاں یونیورسل اور اخلاقی اقدار سے مراد "جس دے گھر دانے اودھے کملے وی سیانے"۔ یعنی دولت مند اگر پاگل بھی ہو تو وہ عقل مند کہلاتا ہے۔ وہ تعلیم یافتہ بھی ہوتا ہے اور تہذیب یافتہ بھی۔ اس کے مقابلے میں ایک غریب کتنا ہی پڑھا لکھا کیوں نہ ہو۔ بدھو اور بدتمیز کہلاتا ہے۔

اقدار خداوندی پر مبنی یونیورسل تعلیم کا شمار نعمائے خداوندی میں ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لقد من اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔ ○ (3:163)

"یہ ایمان والوں پر خدا کا احسان ہے کہ اس نے انہی میں

سے ان کی طرف اپنا ایک رسول بھیجا جو ان کی صلاحیتوں کی نشوونما کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے وہ سخت گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ (آل عمران - 163)

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ دنیا میں ہر اعلیٰ تہذیب کی عمارت علم کی بنیاد پر اٹھتی ہے۔ لیکن جب تک انسانی علم کے ساتھ وحی خداوندی شامل نہ ہو یہ بنیادیں خام رہ جاتی ہیں اور ایسی تہذیب پائدار ثابت نہیں ہوتی۔ وحی خداوندی تہذیب کی عمارت کو استحکام بخشتی ہے اور اسے پرشکوہ بنا دیتی ہے۔ ایسی تہذیب تمام نوع انسانی کیلئے موجب رحمت ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے دور میں نوع انسانیت کو ایسی ہی تہذیب سے روشناس کرایا تھا۔ اس تہذیب کی شان و شوکت کے سامنے رومتہ الکبریٰ اور ایران جیسی صدیوں پرانی تہذیبیں زمین بوس ہو گئی تھیں۔ اس تہذیب کا امتیاز یہ تھا کہ اس کی بنیادیں وحی خداوندی پر قائم تھیں۔

قرآن کریم کے نزدیک علم کی کتنی زیادہ اہمیت ہے اسی کا اندازہ اس حقیقت سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی تقریباً 6 ہزار 6 سو آیات میں سے ایک ہزار کے لگ بھگ آیات تدبر و تفکر، عقل و شعور، اور علم و بصیرت سے متعلق ہیں۔ قرآن کریم کے نزدیک انسان اور حیوان میں خط امتیاز علم کا حصول ہے۔ انسان جس نسبت سے علم حاصل کرتا جائے گا اسی نسبت سے وہ حیوانی سطح سے بلند ہوتا جائے گا۔ حیوانوں کی یہ خصلت ہوتی ہے کہ وہ اپنی سوجھ بوجھ سے کام لینے کی صلاحیت نہیں رکھتے اس لئے تقلید پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہی حال غیر تعلیم یافتہ انسانوں کا ہوتا ہے۔ تعلیم کا فقدان انہیں تقلید کی راہوں پر ڈال دیتا ہے۔ اور وہ اسلاف کے طرز حیات کو اپنے لئے سند بنا لیتے ہیں۔ پھر انہیں اگر کسی صحیح نظام حیات کی طرف بھی کیوں نہ دعوت دی جائے وہ اسے قبول نہیں کرتے۔

ایسے لوگ عقل و فکر سے بالکل کام نہیں لیتے۔ قرآن کہتا ہے: **لھم قلوب لا یفقھون بھا**۔ یہ سینے میں دل رکھتے ہیں لیکن اس سے سمجھنے سوچنے کا کام نہیں لیتے۔ **ولھم اعین لا یبصرون بھا**۔ ان کی آنکھیں ہوتی ہیں لیکن ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ **ولھم اذان لا یسمعون بھا**۔ وہ کان رکھتے ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں۔ **اولک کالا نعام بل ھم اضل**۔ یہ لوگ انسان نہیں بالکل حیوان ہوتے ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ۔ اس لئے کہ حیوان کم از کم اپنے جبلی تقاضوں کے مطابق تو چلتے ہیں۔ **اولک ھم الغفلون**۔ اس قسم کے لوگ ان حدود سے بھی بے خبر ہوتے ہیں۔ (7:179)

جب لوگ حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں تو پھر وہ قرآن کریم کے عظیم حقائق کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں اور اس کی صداقت کا انکار کر دیتے ہیں۔ فرمایا: **بل کذبو بما لم یحیطو بعلمہ**۔ ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ ان کی علمی سطح بلند نہیں اور یہ اس کے حقائق کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ (10:39)

قرآن کریم کے نزدیک اس طرح کے انسان بھیڑ بکریوں کی مثل ہوتے ہیں۔ ارشاد ہے:

ومثل الذین کفرو اکمثل الذی ینعق بما لا یسمع الا دعاء و ندآء صم بکم عمی فھم لا یعقلون۔ کافروں کی مثال یوں سمجھئے کہ بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ ہے جس کے پیچھے چرواہا ہے، چرواہے نے اپنے اسلاف سے کچھ آوازیں سیکھ رکھی ہیں اور کچھ الفاظ یاد کر رکھے ہیں بلا مطلب! وہ یہ آوازیں نکالتا ہے اور ان الفاظ کو دہراتا رہتا ہے اور بھیڑ بکریاں ان اشاروں پر ادھر ادھر مڑتی رہتی ہیں۔ نہ چرواہے کو اس کا علم ہوتا ہے کہ ان آوازوں اور الفاظ کا مطلب کیا ہے اور نہ ہی وہ بھیڑ بکریاں ان آوازوں کے علاوہ کچھ اور سمجھنے کے قابل ہوتی ہیں۔ یہ ہیں آباء کی تقلید کرنے والے۔ بہرے، گونگے،

عقل و فکر سے کچھ کام نہ لینے والے۔ انہیں انسان کون کہہ سکتا ہے۔ (2:171)

قرآن کریم نے یہ جو جہالت کا نقشہ کھینچا ہے اس کی زندہ مثال ہم خود ہیں۔ آج اکثریت کی یہی حالت ہے۔ ہماری نہ تو کوئی اپنی رائے ہوتی ہے اور نہ ہی ہمیں اختیار و ارادہ کی آزادی حاصل ہے۔ ہمارے چرواہے ہمیں جس طرف ہانک کر لے چلیں ہم چل پڑتے ہیں۔ کچھ سیاست کی دنیا کے اور کچھ مذہب کی دنیا کے چرواہے ہیں جو عوام کو بھیڑ بکریوں کی مثل ہانکے چلے جا رہے ہیں۔ نہ چرواہوں کو سمجھ ہوتی ہے کہ وہ کیا کہہ رہے ہوتے ہیں اور نہ عوام کے پلے کچھ پڑتا ہے کہ ان سے کیا کہا جا رہا ہے؟ سیاست دان انہیں اس دنیا کی جنت کی امیدیں دلاتے ہیں اور علماء انہیں آخرت کی جنت کی نویدیں سناتے ہیں۔ دونوں گروہوں نے انہیں ایسی راہوں پر ڈال رکھا ہے کہ نہ وصال صنم ہو رہا ہے اور نہ ہی خدا کے ملنے کی امید ہے! ان رہنمایان قوم کی عیاری کی وجہ سے پوری قوم جہنم کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ لوگ اس سے نکلنا چاہتے ہیں لیکن اس سے نکلنے کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی۔

اس مشکل کا حل بیداری اور یونیورسل تعلیم میں ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک' نبی اکرم ﷺ کے نزدیک اور ہر صاحب علم کے نزدیک برائیوں کی جڑ جہالت ہوتی ہے۔ جب تک اسے اکھاڑ کر پھینک نہ دیا جائے کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوتی۔ اگر بغور جائزہ لیا جائے تو پاکستان کے مسائل کے پس پشت بھی جہالت کارفرما نظر آئے گی۔ صرف ایک مسئلے کو لیجئے۔ مثلاً" پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ قومی یک جہتی کا فقدان ہے۔ علاقائی' لسانی اور مذہبی تعصبات نے قومی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ اس نااتفاقی کی وجہ سے کوئی بھی حکومت دلجمعی سے کام نہیں کر سکتی۔ حکمرانوں کا زیادہ وقت سیاسی ریشہ دوانیوں کو سلجھانے میں صرف ہوتا ہے۔ انہیں اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے ہر طبقے کے مفاد کا خیال رکھنا پڑتا ہے جو کہ عملی طور پر قطعی ناممکن ہوتا ہے۔ لہٰذا کئی ایسے کام جو قومی اہمیت کے ہوتے ہیں وہ نہیں ہو پاتے اور ملک پسماندہ رہ جاتا ہے۔ ان تعصبات سے صرف تعلیم و تربیت کے ذریعے نجات مل سکتی ہے۔ تعلیم انسان میں وسعت قلب پیدا کرتی اور لوگ پیار و محبت کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں۔ تعلیم انسان میں ایثار و ہمدردی کا جذبہ پیدا کرتی ہے اور معاشرتی روابط کو بہتر خطوط پر استوار کرتی ہے۔ معاشرے میں اتفاق و اتحاد پایا جائے تو پھر حکمران بھی ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے بہتر پالیسیاں وضع کر سکتے ہیں۔ پاکستان کی موجودہ حکومت گو کہ جمہوری طور پر مضبوط ترین حکومت کہلاتی ہے لیکن ملک میں جہالت اس قدر زیادہ ہے کہ یہ مضبوط ترین حکومت بھی اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتی ہے۔ اسی بنا پر موجودہ حکومت نے تعلیم کی ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کیا اور اس کے لئے ضروری اقدامات کا اعلان کیا۔

تحریک طلوع اسلام وزیراعظم کے ان اقدامات کا خیر مقدم کرتی ہے اور اپنے مکمل تعاون کا یقین دلاتی ہے۔ تعلیم کا فروغ اس کے منشور کا بنیادی اصول ہے۔ اس کے نزدیک قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے' ہنگاموں سے نہیں! یہ خود بھی تعمیر فکر پر کاربند ہے اور دوسری تنظیموں کو بھی اس کی ترغیب دلاتی ہے۔ اس کی نگاہ میں ہنگاموں کے بل پر ایوان اقتدار تک تو پہنچا جا سکتا ہے لیکن عوام کی حقیقی فلاح و بہبود کا کام سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ تحریک طلوع اسلام نبی اکرم ﷺ کے نقوش اقدس پر چل رہی ہے۔ آپ ﷺ نے قوم کی اصلاح تعلیم و تربیت سے کی تھی۔ جلسے' جلوسوں اور ہنگاموں سے نہیں! آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام علی وجہ البصیرت اس کے بندوں تک پہنچایا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں بھی ایسا کرتا ہوں اور جو لوگ میرے نقش قدم پر چلیں گے وہ بھی ایسا ہی کریں

گے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

قل ھذہ سبیلی ادعوالی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی.. ان سے کہو کہ میری راہ تو یہ ہے کہ میں تمہیں خدا کی طرف دلائل و براہین کی رو سے دعوت دیتا ہوں' میں بھی ایسا کرتا ہوں اور میرے متبعین بھی ایسا کریں گے۔ (12:108)

اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ نبی اکرم ﷺ کا طریق کار علم و بصیرت پر مبنی تھا۔ وہ ریلے اور ریلیاں نہیں نکالتے تھے' نہ دھرنے مارتے تھے! آپ ﷺ نے سب سے پہلے قوم کی صحیح خطوط پر تعلیم و تربیت کی اور پھر انہیں احکام خداوندی کا پابند ٹھہرایا۔ اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوم جو جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی تھی بہت ہی کم عرصہ میں (یک لخت) تہذیب و تمدن کی بلندیوں پر فائز ہو گئی۔ وہ اپنی تمام ہمعصر تہذیبوں پر سبقت لے گئی۔

قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی سب سے پسندیدہ دعا علم کے حصول کیلئے تھی۔ کیونکہ قرآن کریم میں دوسری ایسی کوئی دعا مذکور نہیں جس کا تعلق صرف آپ ﷺ کی ذات اقدس سے ہو۔ صرف یہی ایک دعا ہے جو خاص طور پر آپ ﷺ کی ذات سے متعلق ہے۔ ارشاد ہے: **وقل رب زدنی علما** اور کہو! اے رب' میرے علم میں اضافہ فرما! (20:114) اس لئے آپ ﷺ علم کی قدر و قیمت سے بخوبی آگاہ تھے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ صدر اول میں آپ ﷺ کو ان گنت مسائل درپیش تھے۔ آپ ﷺ کو ہر سمت سے شدید مخالفت کا سامنا تھا۔ منافق ملت کی جڑیں کھوکھلی کر رہے تھے اور دشمن پے در پے حملے کر رہے تھے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رکھا' اور اس سے کبھی غفلت نہ برتی۔ علم کی اہمیت اور شدت ضرورت کا اندازہ قرآن کریم کی اس آیہ کریمہ سے بھی بخوبی ہو جاتا ہے۔ جب کہا!

وما کان المؤمنون ینفروا کافۃ جماعت مومنین کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب ایک ہی کام کے لئے نکل کھڑے ہوں (واضح رہے کہ اس دور میں جنگ و قتال کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی) جنگ و قتال میں مصروف رہنے کے یہ معنی نہیں کہ تم دین کے دوسرے شعبوں کو نظر انداز کر دو۔ یہ ضروری ہے کہ اس کے ساتھ تعلیم و تربیت کا سلسلہ بھی جاری رہے۔

فلو لا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون ○ لہذا چاہئے کہ ہر جماعت سے کچھ لوگ (مرکز نظام خداوندی میں آکر) اس نظام کے بارے میں پوری سمجھ بوجھ حاصل کریں اور پھر اپنی جماعت کی طرف واپس جا کر انہیں اس سے آگاہ کریں تاکہ وہ بھی اپنے آپ کو غلط باتوں سے محفوظ رکھ سکیں اور صحیح نظام زندگی کے مطابق چلنے کے قابل ہو جائیں۔ (9:122)

اب آپ خود اندازہ کیجئے کہ جس قوم کے دل میں حصول علم کے لئے اس قدر تڑپ ہو کہ وہ جنگ و قتال کے دور میں بھی اس سے غافل نہ رہے' وہ قوم دنیا میں کیوں سرخرو نہ ہو گی۔ اس قوم کو کون شکست دے سکتا ہے' اقوام عالم اس قوم کی عظمت کو کیوں سلام نہیں کریں گی اور اس کی تقلید کو اپنے لئے باعث افتخار نہ سمجھیں گی! لیکن وائے ناکامی! صدر اول کے بعد دین کی زمام کار ایسے نااہلوں کی ہاتھ میں آگئی جنہوں نے ان سنہری اقدار کو ضائع کر دیا اور اپنے سرکش جذبات و خواہشات کے پیچھے چل پڑے۔ حکمرانوں نے اپنے آپ کو قرآن کریم کی حدود و قیود سے آزاد کر لیا اور انہیں علماء کے دائرہ کار میں شامل کر دیا۔ علماء نے حکمرانوں کے غیظ و غضب سے بچنے کے لئے ان حدود کو نئے معانی پہنچائے اور انہیں چند بے روح اور بے مقصد رسومات میں ڈھال لیا۔ اب قرآن

کریم میں جہاں جہاں علم کی فضیلت بیان ہوئی اس سے مراد دین کا علم سمجھا جاتا اور دین کے علم سے مراد ان رسومات کا علم حاصل کرنا مطلوب ہوتا ہے۔

قرآن کریم علم کے ضمن میں دینی اور دنیاوی کی کوئی تفریق نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک خدا کا علم کائنات کی ہر شے کو محیط ہے۔ انسان جو علم اپنے تجربے اور مشاہدہ کی بنا پر حاصل کرتا ہے اور جو اسے وحی کی وساطت پہنچتا' دونوں خدا کے وسیع علم کا حصہ ہیں۔

قرآن کریم نے علم کے ان دونوں سرچشموں کا ایک ہی آیت میں ذکر فرما کر علماء کی خود ساختہ تفریق کی نفی کر دی۔ ارشاد ہے : **ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل و النھار لا یت لا ولی الالباب** ارباب فکر و نظر کیلئے تخلیق ارض و سماء اور گردش لیل و نہار میں قوانین خداوندی کی حکمت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ یہ صاحبان عقل و بصیرت کون لوگ ہوتے ہیں؟ **الذین یذ کرون اللہ قیما و قعودا و علی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموت والارض** یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو زندگی کے ہر گوشے میں' اٹھتے' بیٹھتے' لیٹتے ذکر الٰہی کرتے ہیں (یعنی قوانین خداوندی یا وحی کے احکام کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتے ہیں) اور تخلیق ارض و سماء پر غور و فکر کرتے ہیں (یعنی تجربے اور مشاہدہ کی بنا پر سائنسی علوم حاصل کرتے ہیں۔)

حقیقت یہ ہے کہ سائنسی علوم اور دینی تعلیم کو الگ کیا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ اس تفریق کی وجہ سے دنیا میں فساد برپا ہو جائے گا۔ آج ہمیں جو بحر و بر میں فساد دکھائی دیتا ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ سائنسی علوم اور اقدار خداوندی کا رشتہ توڑ دیا گیا ہے۔ انسان نے سائنسی علوم کی بنا پر جو ترقی و عروج حاصل کیا ہے اسے اگر وحی خداوندی کے مطابق استعمال میں لایا جاتا تو یہ دنیا جنت بداماں ہو جاتی۔

تحریک طلوع اسلام دینی اور دنیاوی تعلیم میں کوئی فرق روا نہیں رکھتی۔ کائنات کی ہر شے اور اس کے تمام اصول و قواعد خدا کی تخلیقات ہیں۔ ان میں تفریق و امتیاز پیدا کرنا انسانیت کو گمراہ کرنے کے مترادف ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جیسے وحی کی تعلیمات کو دین قیم قرار دیا ہے (30:43) ویسے ہی قوانین فطرت کو بھی دین قیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تخلیق ارض و سما سے متعلق قانون فطرت (9:36) اور تخلیق انسان سے متعلق قانون فطرت (30:30)۔ ہمارے علماء نے دینی و دنیاوی تفریق پیدا کر کے لوگوں کو غلط راہوں پر ڈالدیا ہے اور لوگ ذہنی انتشار کا شکار ہو گئے ہیں۔ اب صورت یہ ہے کہ مذہبی مدرسوں میں زیر تعلیم طالب علم سائنسی علوم سے نفرت کرتے ہیں اور سائنسی علوم پڑھنے والے دینی تعلیمات سے محروم رہتے ہیں اور پھر بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی' دونوں طبقے ایک دوسرے کو طعن و ملامت بھی کرتے ہیں۔ سائنس دان مولویوں کو جنونی سمجھتے ہیں اور مولوی انہیں لادین قرار دیتے ہیں۔ تحریک طلوع اسلام نے اسوہ رسول ﷺ کو مشعل راہ بنا رکھا ہے اس لئے اس کے ہاں یہ تضاد سرے سے موجود ہی نہیں۔ حضور ﷺ کے نزدیک علم صرف علم تھا دینی اور دنیاوی کی تفریق آپ ﷺ کے نزدیک آپ ﷺ کی ایک مشہور حدیث ہے کہ علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے تمہیں چین کیوں نہ جانا پڑے۔ یہ حدیث علم سے متعلق آپ ﷺ کے نقطہ نظر کی وضاحت کر دیتی ہے۔ اگر آپ ﷺ کے نزدیک علم سے مراد دینی علم ہوتا تو پھر آپ ﷺ چین جانے کا مشورہ نہ دیتے۔

اگر ہم قرآن کریم کی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھ سکتے اور نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی پیروی اس طرح کرتے جس طرح قرآن نے بتایا ہے تو آج ہمارے معاشرے کی حالت بہت مختلف ہوتی۔ علم کے حصول کو ہر مسلمان فریضہ زندگی سمجھتا اور کبھی غفلت کا مرتکب نہ ہوتا۔ آج ہمارا

شمار بھی مہذب ترین اقوام میں ہوتا۔

وزیراعظم پاکستان نے تعلیم کے فروغ کے لئے جس قومی پالیسی کا اعلان کیا، ہمیں چاہئے کہ اس پر خلوص دل کے ساتھ عمل کریں۔ ہمیں اپنی اولاد کو بھی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا چاہئے اور کم از کم ایک مستحق بچے کے تعلیمی اخراجات کا بھی بندوبست کرنا چاہئے۔ مزید برآں صاحب ثروت حضرات کو جگہ جگہ نئے اسکول کھولنے چاہئیں۔ حکومت کو بھی چاہئے کہ وہ تعلیم کے شعبہ کو اپنی ترجیحات میں سرفہرست رکھے۔ یہ ہم سب کا دینی اور قومی فریضہ ہے۔ اور ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ قومی فرائض سے غفلت کے نتائج بڑے بھیانک ہوتے ہیں۔ کیونکہ:

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

FOR ALL PUBLICATIONS
OF
ALLAMA GHULAM AHMED PARWEZ
AND RECORDED LECTURES ON QURAN
PLEASE CONTACT
TOLU-E-ISLAM TRUST

ACCOUNT NO. CURRENT 4107-35
MAIN GULBERG BRANCH
HABIB BANK LIMITED LAHORE

PHONE : 5714546, 5764484, 5753666
FAX : 092 - 42 - 5764484
EMAIL : tluislam@brain.net.pk
INTERNET : http://www.toluislam.com

خط لکھ کر مفت طلب فرمائیے

مسئلہ قادنیت کا قانونی فیصلہ تو ہو گیا لیکن ذہن ابھی تک صاف نہیں ہوئے
ذہن صاف نہیں ہو سکتے جب تک یہ نکات واضح نہ ہوں کہ

- ☆ نبوت کا مقام کیا ہے؟
- ☆ ختم نبوت کی حقیقت اور اہمیت کیا ہے؟
- ☆ سلسلۂ وحی کیوں بند کیا گیا ہے؟
- ☆ ختم نبوت سے انکار کیوں تذلیل انسانیت ہے؟

نبوت کا دروازہ بند ہو جانے کے بعد

کون کون سی کھڑکیاں کھولی گئیں جس کے راستے اس قسم کے مدعیان،
حصار اسلام میں داخل ہو گئے؟ ان کھڑکیوں کو بند کر دینے کا کیا طریق ہے؟
قادیانی (ربوی) اور لاہوری جماعتوں کی اصلیت کیا ہے؟

قرآن کریم اور "احمدی" لٹریچر کی روشنی میں تفصیل کے لئے
پرویز صاحب کی فکر انگیز کتاب

"ختم نبوت اور تحریک احمدیت"

ملاحظہ فرمائیں

طلوع اسلام ٹرسٹ B-25 گلبرگ لاہور 54660 فیکس نمبر: 042-5866617

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر شبیر احمد۔ (فلوریڈا)

اٹوٹ انگ

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر
کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایران صغیر

1839ء میں پنجاب کے مہاراجہ رنجیت سنگھ پر فالج گرا گویا سکھوں کی خالصہ ریاست پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ سکھ مذہب کی تعلیمات کے برخلاف گیارہ رانیاں ستی ہو گئیں یعنی زندہ جل مریں۔ ایک رانی "جنداں" زندہ رہی۔ رنجیت سنگھ کے بڑے بیٹے کھڑک سنگھ اور دیگر اراکین سلطنت پنجاب کی سکھ سلطنت کو سنبھال نہ سکے۔ مخلاتی سازشوں نے رنجیت سنگھ کے اقتدار کے دو بڑے محسنوں کو اذیت ناک انجام سے دوچار کر دیا۔ مہاراجہ کی خوش دامن "سدا کور" بوڑھی ہو چکی تھی مگر اسے تاحیات سلاخوں کے پیچھے پھینک دیا گیا اور انتہائی کامیاب جرنیل "ہری سنگھ نلوا" کو ڈوگرہ سردار گلاب سنگھ کی سازشوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ سدا کور نے رنجیت سنگھ کو لوٹ مار یونہی سکھائی تھی جیسے خالہ بلی نے شیر کو۔

صاحبو! انگریز آج ہی دور اندیش نہیں ہوا یورپ میں جب سے صنعتی انقلاب آیا ہے (سولہویں صدی عیسوی) وہ اندھیرے زمانوں Dark Ages میں کئی صدیوں تک گہری نیند سونے کے بعد جاگ اٹھا ہے۔ پنجاب میں بندر بانٹ کو جاگے ہوئے انگریز نے فوراً بھانپ لیا اور 1846ء میں سکھا شاہی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ سکھوں اور انگریزوں کے درمیان پھر رسوائے زمانہ "عہد نامہ لاہور" طے پایا۔ اس عہد نامے کے تحت انگریزوں نے گلاب سنگھ کو ریاست کشمیر دس لاکھ پونڈ (اس زمانے میں پچھتر لاکھ روپے) میں فروخت کر دی۔ ہندو سردار گلاب سنگھ کو ہم وطن سکھوں سے غداری کا انعام دیا گیا۔

اس سے پہلے ریاست کشمیر پر صدیوں سے مسلمان حکمران تھے۔ ان میں بھی جب بندر بانٹ حد سے بڑھی تھی تو 1819ء میں رنجیت سنگھ نے ریاست جموں و کشمیر پر قبضہ کر لیا تھا۔ رنجیت سنگھ کی آنکھ بند ہوتے ہی انگریزوں نے سکھ سیاست کی بساط الٹ دی۔ گلاب سنگھ کا ایک جانشین راجہ ہری سنگھ وہ بدبخت حاکم کشمیر تھا جس نے 1948ء میں چالیس لاکھ کشمیریوں کو بھارت کے خونیں پنجے میں دے دیا۔

تو صاحبو! ہماری وادی کشمیر تقسیم ہند کے دور سے ہی نہیں 176 برس سے غلام ہے' (یعنی 1819 سے) آج وادی کشمیر کی آبادی تقریباً" ایک کروڑ ہو چکی ہے۔ اسی فیصد باشندے مسلمان ہیں۔ دنیا کے سو کروڑ سے زیادہ وہ افراد جو خود کو مسلمان کہتے ہیں ظلم و بربریت کا کھیل دیکھ رہے ہیں۔ بوڑھے کشمیریوں کی آہیں سن رہے ہیں۔ نوجوانوں کا گرم لہو کشمیر کی زمینوں میں جذب ہوتا چلا جاتا ہے۔ دختران کشمیر آبرو باختہ ہو رہی ہیں اور ہم اپنا مقدمہ دشمنان اسلام کی مجلسوں میں لے جا کر حق مسلمانی ادا کر رہے ہیں۔

تماشا کر اے محو آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

بھارت سرکار کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ قرار دیتی ہے۔ چھپکلی بھی اپنی دم کو اٹوٹ انگ سمجھتی ہے۔ جب اسے ذرا ٹھیس پہنچتی ہے تو چھپکلی کا اٹوٹ انگ سب سے پہلے ٹوٹ جاتا ہے۔ 1947ء تک آج کا پاکستان بھی "اکھنڈ" بھارت کا اٹوٹ انگ تھا۔ اگر بھارت والے یہ دعویٰ کر ڈالیں کہ پوری دنیا ان کا اٹوٹ انگ ہے تو ایک طرح سے انہیں حق حاصل ہے کیونکہ ان کے بقول یہ دنیا ان کی گئو ماتا کے سینگوں پر قائم ہے۔ البتہ ہمیں آج تک کوئی پنڈت جی یہ نہیں بتا سکے کہ وہ گئو ماتا جس نے پوری دنیا کو اپنے سینگوں پر اٹھا رکھا ہے خود کہاں کھڑی ہے!

ہندوستان بھر میں آج کل کیا ہمیشہ سے مذہب' ذات پات' رنگ و نسل' صوبائیت' معیشت اور نظریات کی جو ہمہ گیر تقسیم برپا ہے اس کا حل کسی سیاست میں نہیں' روایات میں نہیں' دیو مالاؤں میں نہیں۔ اگر کوئی حل ہے تو صرف اس عقیدے میں جو نہ صرف خدا کو واحد قرار دیتا ہے بلکہ بنی نوع انسان کی وحدت کا بھی قائل ہے۔ کشمیر میں موجود چھ لاکھ بھارتی فوجوں کی ایک ذمہ دار شخصیت نے راز داری کی درخواست کے ساتھ صاف صاف یہ کہا ہے کہ ملک بھارت کو خود اتنے گھمبیر مسائل درپیش ہیں کہ پارلیمنٹ میں یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

تجھے کیوں فکر ہے اے گل! دل صد چاک بلبل کی
تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے

ایک بچہ امتحان میں فیل ہو گیا۔ ابا نے بچے کو تین رپورٹیں دکھائیں۔ بچے کے چچا کی اور اپنے بڑے بچے کی۔ پھر فرمایا "دیکھو بیٹا! یہ تینوں رپورٹیں کتنی خراب ہیں اوران رپورٹوں پر میری تمہارے چچا کی اور تمہارے بھائی کی بڑی سخت پٹائی ہوئی تھی "بچہ پڑھائی میں کمزور تھا لیکن بے وقوف نہیں تھا' بولا "ابا! کیا ہی اچھا ہو کہ آج آپ اس خاندانی غنڈہ گردی کا خاتمہ کر دیں"۔ اسی طرح صاحبو! کیا ہی اچھا ہو کہ بھارتی سیاست خانہ اپنی روایتی غنڈہ گردی سے دست بردار ہو جائے۔

ہم نے کشمیر کو صرف گزر کر ہی نہیں دیکھا وہاں رہ کر بھی دیکھا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی خطہ ہو جبر و تشدد' ظلم و بے انصافی کی اندھیر نگری جہاں بھی ہوتی ہے وہاں راج چوپٹ ہو جاتا ہے اور باشندے سسکتی ہوئی زندگی گزارنے لگتے ہیں۔ ہم نے حسین وادی کشمیر میں شہر شہر گاؤں گاؤں یہ منظر دیکھا ہے کہ

بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن
تقدیر کو روتا ہے مسلماں تہ محراب

قراقرم' ہمالیہ' جھیل ڈل' دریائے جہلم' کوہساروں اور آبشاروں' مرغزاروں اور حسین نظاروں کی اس وادی میں ہم نے بیماروں کو بغیر علاج مرتے' بے لباسوں کو سردی میں ٹھٹھرتے اور محرومیوں کو بھوک سے بلبلاتے' بچوں کو بغیر مستقبل کے پروان چڑھتے دیکھا ہے۔ ہم نے ماؤں کی بھری گودیں خالی ہوتے دیکھی ہیں۔ باپوں کے سہارے ٹوٹتے دیکھے ہیں۔ اور سہاگنوں کے سہاگ اجڑتے دیکھے ہیں۔ قدرت کتنی فیاض اور انسان کتنا ظالم ہو سکتا ہے' غربت کتنی خوفناک ہو سکتی ہے! وادی کشمیر اس کی انتہائی اندوہناک تصویر پیش کر دیتی ہے۔ دنیا کے بلند ترین پہاڑ لیکن اداس اداس' سیاہ بادل گویا آنسو برساتے ہوئے۔ جھرنے اور آبشار روتے ہوئے۔ لالہ زار و چمن نسیم بہار سے مایوس۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

غلامی ہو اور وہ بھی 176 برس کی تو ماحول پر ایسی سوگواری طاری کیوں نہ ہو۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر 75 پر غور فرمایئے ایسے حالات میں گھرے ہوئے بے بس مردوں'

عورتوں اور بچوں کی مدد نہ کرنے والوں کو خالق کائنات یہ کہہ کر مخاطب ہوتا ہے۔ "لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" ہمارے ارباب سیاست فرما دیں گے کہ وہ ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں' عالمی رائے عامہ کو بیدار کر رہے ہیں' اقوام متحدہ میں اس مسئلے کو اٹھا رہے ہیں۔ کشمیریوں کی اخلاقی مدد کر رہے ہیں۔ عوام یہ کہہ کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں کہ یہ تو حکومت کے کرنے کا کام ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ کسی مظلوم پر خنجر کے پے در پے وار ہو رہے ہوں اور اسے کہا جائے "فکر نہ کر میں تیرے ساتھ ہوں" یا یہ کہ میں کیا کروں پولیس ہی نہیں پہنچتی۔

آج پھر کشمیری عوام اپنی جانوں کے نذرانے دے رہے ہیں۔ آزادی کی منزل ابھی تک قریب نظر نہیں آتی۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں
جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

ذوق یقین ہمیشہ قوت سے پیدا ہوتا ہے۔ رام راج کے نام لیواؤں نے قوت کے بل بوتے پر دوہرے معیار وضع کئے۔ حیدر آباد دکن کو یہ کہہ کر ہڑپ کر لیا کہ وہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے اور کشمیر کو یہ کہہ کر کھا گئے کہ وہاں کی اکثریتی مسلم آبادی پر غیر مسلم حکومت مسلط تھی۔ آج دو تہائی سے زیادہ کشمیر بھارتی بربریت کے سائے میں سسک رہا ہے۔ مسلمانوں کے کیمپ میں پہلی دوسری اور تیسری آپشن Option کی بات چل رہی ہے۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ ہونا وہ چاہئے جو کشمیری عوام چاہتے ہیں۔ اہم ترین سوال یہ ہے کہ خود کشمیریوں کو کیا چاہنا چاہئے؟

یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اگر ہم بھول جائیں (اور ہم بھولے بیٹھے ہیں) کہ مسلمان دنیا کے کسی بھی خطے میں بستے ہوں وہ سب ایک ملت ہیں تو حشر وہی ہو گا جو ہو رہا ہے۔ صرف کشمیر' بوسنیا' فلسطین اور چیچنیا (شیشتان) ہی نہیں ہر نام نہاد آزاد مسلم ملک درحقیقت کافروں کا غلام ہے۔ بڑی عام غلط فہمی ہے کہ آزادی کا حصول ہی کسی قوم کی منزل ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آزادی قائم رکھنے کے لئے عمل پیہم کی ضرورت ہوتی ہے۔ دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے قوموں کے عروج و زوال اور آزادی و غلامی کی داستانیں ہر طرف بکھری نظر آئیں گی۔ رنجیت سنگھ ہر زمانے میں بھیس بدل کر آتا رہتا ہے۔ اس سے پہلے کہ خود اس کے جسم پر فالج گرے وہ لاکھوں کروڑوں انسانوں پر ظلم و تشدد کی قیامت کھڑی کر دیتا ہے' اس کی موت پر رانیاں ستی ہوتی رہیں لیکن وہ اپنی زندگی میں بے شمار گھرانوں کو اجاڑ جاتا ہے۔

صاحبو! غلاموں کو آزاد ہونے کے لئے خون بہانا اور آزادوں کو آزادی برقرار رکھنے کے لئے ہوشیار و بیدار رہنا پڑتا ہے۔

ملے گا منزل مقصود کا اسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ

ڈاکٹر شبیر احمد کی کتاب "دستک" سے ماخوذ

سچے موتی

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک شخص آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس کے پاس سواری ضرورت سے زائد ہو وہ اس آدمی کو دیدے جسے اس کی ضرورت ہو۔ جس کے پاس زاد راہ زیادہ ہو وہ اسے دیدے جس کے پاس زاد راہ نہ ہو۔ اسی طرح آپؐ نے بہت سی چیزوں کا ذکر فرمایا حتیٰ کہ ہم نے سمجھ لیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی ضرورت سے زائد کوئی چیز رکھنے کا حق نہیں۔ (مسلم)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

محترم المقام جناب محمد نواز شریف صاحب وزیر اعظم پاکستان

سبز انقلاب

نیشا غورث نے کہا تھا

" کاشتکار کا عزم اس کے کھیتوں سے ظاہر ہوتا ہے "

جب کھیت کسی اور کا ہو اور محنت کوئی اور کرے تو کاشتکار کا عزم متزلزل ہو جاتا ہے۔

الحمد للہ کہ بے زمین کاشتکاروں میں زمین بانٹنے کا کام آپ نے شروع کر دیا ہے جس سے امید کی جا سکتی ہے کہ قرآن کا عطا کردہ

" الارض للہ "

کا فلسفہ اور قیام پاکستان کا مقصد بھی عوام کی سمجھ میں آنا شروع ہو جائیگا۔

باغبان ایسوسی ایشن جو پورے پاکستان کو سرسبز و شاداب بنانے کی عملی جدوجہد میں مصروف ہے، آپ کو آپ کے اس اقدام پر مبارک باد پیش کرتی ہے۔ اور توقع رکھتی ہے کہ زرعی پیداوار بڑھانے کے عمل کو آگے بڑھاتے ہوئے آپ ہماری مندرجہ ذیل معروضات پر بھی غور فرمائیں گے۔

1- بنجر زمینوں کے اعداد و شمار مرتب کر کے ساری زمین بے زمین کاشتکاروں میں تقسیم کر دی جائے۔

2- آبی ذخائر کے امکانات کا جائزہ لیکر بڑے بڑے تالاب بنائے جائیں۔ تاکہ ملک میں باغبانی کے عمل کو آگے بڑھایا جا سکے۔

3- طوطوں، چوہوں، چمگادڑوں اور دیمک کے خلاف اعلان جنگ کیا جائے۔

4- ملک میں نرسریوں کا جال بچھانے کے لئے عملی اقدام کئے جائیں۔

ملک محمد حنیف وجدانی
صدر باغبان ایسوسی ایشن
معرفت موہڑہ سیداں، مری
پوسٹ کوڈ نمبر 47224

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایاز حسین انصاری

ہماری مشکلات کا حل

گوئٹے نے کہا تھا کہ انسان کو ہر روز از سر نو آزادی حاصل کرنا پڑتی ہے۔ شاہ عبداللطیف کہتے ہیں کہ اگر آپ کشتی میں رہتے ہیں اور کشتی پانی میں ہے تو ہر روز اس کی مرمت اور حفاظت کی ضرورت ہے۔ اگر کشتی کی مرمت نہ کی جائے تو اس کے اندر سوراخ ہو جائیں گے اور پانی اندر چلا جائے گا۔ مومنین کا شیوہ استنظار ہے۔ یعنی قوت اور حفاظت فراہم کرتے رہنا جس سے انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی رہے تاکہ قوت مدافعت اور سامان حفاظت حاصل ہو جائے۔

مسولینی کا نظریہ تھا کہ جس کے پاس فولاد ہے اس کے پاس روٹی ہے۔

"He who has steel has bread"۔

علامہ اقبالؒ نے اس میں یہ تبدیلی کی تھی کہ جو فولاد ہے اس کے پاس سب کچھ ہے۔

"He who is steel has everything"۔

(خطبہ صدارت مورخہ 21 مارچ 1932ء)۔

پاکستان کی بقا کا راز اگرچہ پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت میں ہے اور ہم اس سمت میں آگے بڑھ رہے تھے کہ بھارت نے ہمارے خلاف اپنی طاقت کا لوہا منوانے کے لئے ایٹمی دھماکہ کر دیا۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ جواب میں ہم بھی اپنے ہاں ایسی قوت فراہم کریں جس سے دشمن کو ہماری طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات نہ ہو۔ یہ منشا خداوندی کے عین مطابق تھا (سورۃ انفال، آیت 60)۔ لیکن امن عالم کے ٹھیکیداروں کو ہمارا ایٹمی قوت بن جانا ایک آنکھ نہ بھایا اور انہوں نے اقتصادی پابندیاں لگا کر ہمیں مالی پریشانیوں سے دوچار کر دیا۔ یہ درست ہے کہ ہمارا ملک آج گوناگوں مشکلات میں گھرا ہوا ہے اور ملک کا ہر شہری پریشان ہے لیکن کیا ہمارا مطمع نظر اتنا ہی تھا کہ ہماری سرحدوں کی حفاظت ہو جائے اور ہم مالی مشکلات پر قابو پالیں۔ یقیناً یہ بھی اہم ہے لیکن یہ اس پروگرام کا ایک لازمی جز تھا جو ہم نے شروع کیا تھا۔

ہماری آزادی کا پہلا قدم انگریز اور ہندو کی غلامی سے نجات حاصل کرنا تھا۔ ہمیں خطہ پاکستان علامہ اقبالؒ کی قرآنی بصیرت، قائداعظمؒ کے حسن تدبر اور عوام کی یکجہتی اور قوت سے مل گیا۔ الحمدللہ۔ لیکن یہ خطہ زمین ہم نے اس لئے حاصل کیا تھا تاکہ ہم اس میں نظام خداوندی قائم کر سکیں۔

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے کہ اگر ہم نے کسی جماعت کو حکومت عطا کر دی اور انہیں اقتدار حاصل ہو گیا تو یہ۔

-- (ظلم و استبداد نہیں کریں گے) یہ نظام صلوٰۃ قائم کریں گے (تاکہ تمام افراد معاشرہ، قوانین خداوندی کا اتباع کرتے چلے جائیں)۔

-- تمام نوع انسانی کو سامان نشوونما بہم پہنچائیں گے۔

-- ان احکام کو نافذ کریں گے جنہیں (قرآن) صحیح قوانین

خداوندی تسلیم کرتا ہے۔

-- تمام ایسے کاموں سے روکیں گے جنہیں وہ جائز قرار نہیں دیتا۔

-- غرضیکہ (یہ ہر معاملے کے متعلق دیکھیں گے کہ اس باب میں خدا کا قانون کیا کہتا ہے اور اس طرح ان کی حکومت میں' بحث و تمحیص اور باہمی مشاورت کے بعد' (آخر الامر) ہر معاملہ کا فیصلہ قانون خداوندی کے مطابق ہو گا (5:44)

آج ہمیں احساس ہونا چاہئے کہ جس مقصد کے لئے اس خطہ زمین کو حاصل کیا گیا تھا اس کے لئے ہم نے ایک قدم بھی نہیں اٹھایا۔ ہم بھی قوانین خداوندی کی تکذیب اسی طرح کر رہے ہیں جس طرح قوم نوحؑ، قوم عادؑ، قوم ثمودؑ، قوم ابراہیمؑ، قوم شعیبؑ اور قوم موسیٰؑ نے کی تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ سرکشی اختیار کرنے والوں کو' پہلے قانون مکافات عمل کے مطابق مہلت دی گئی لیکن وہ باز نہ آئے تو خدا کے قانون نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ کتنی بستیاں تھیں جو تباہ ہو کر اجڑ گئیں۔ ہمیں ان سابقہ اقوام کے عبرت انگیز انجام کو دیکھ کر عقل و بصیرت سے کام لینا چاہئے۔ اگر ہم بھی اپنی روش سے باز نہ آئے تو یقیناً ہم بھی تباہ ہو جائیں گے۔ ہمارے ساتھ بھی وہی کچھ ہو سکتا ہے جو بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا تھا۔

دیکھا جائے تو پاکستان میں اس وقت سیکولرازم رائج ہے مگر ہم کھل کر اس کا نام لینے سے ڈرتے ہیں۔ ہمارے ہاں قرآنی نظام بہرحال قائم نہیں۔ یاد رکھئے! انسان اپنے خود ساختہ جہنم سے اس وقت نکل سکے گا جب ملک میں قرآنی نظام نافذ ہو گا۔ بات صاف اور واضح ہے کہ ملک میں قرآنی نظام نافذ ہو جائے تو ہماری ساری مصیبتیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ حتیٰ کہ بھوک' افلاس اور محرومیوں کا جو رونا ہم آج کل رو رہے ہیں اس کی بڑی وجہ بھی احکام خداوندی سے روگردانی ہے۔ قرآن کریم کے مطابق بھوک اور خوف خدا کا عذاب ہے۔ یہ عذاب قوم پر اس وقت طاری ہوتا ہے جب وہ قوانین خداوندی کو دانستہ یا نادانستہ طور پر چھوڑ کر اپنے ہاں غلط نظام قائم کر لیتی ہے جبکہ رزق کی فراوانی انہیں حاصل ہوتی ہے جو قوانین خداوندی کے مطابق نظام قائم کرتے ہیں۔ (سورۃ نحل' آیت 113-112)۔

سوال یہ ہے جب یہ طے ہے کہ ملک میں اسلامی نظام بہرحال نافذ ہو گا تو پھر دیر کیوں؟ اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے ہمیں اپنی اب تک کی تگ و دو کو سامنے لانا ہو گا۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے علماء کا مطالبہ تھا کہ آئین میں یہ شق رکھی جائے کہ مملکت کا کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو گا۔ طلوع اسلام نے کہا کہ یہ مطالبہ ناممکن العمل ہے کیونکہ کتاب و سنت کے مطابق کوئی ضابطہ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا جو تمام فرقوں کے لئے قابل قبول ہو۔

اس کا جواب ان حضرات کے پاس کوئی نہیں تھا۔ اس صورتحال سے بچنے کے لئے یہ ٹیکنیک اختیار کی گئی کہ طلوع اسلام منکر حدیث ہے' منکر رسالت ہے' اس کا بانی پرویز الگ فرقہ ایجاد کرنا چاہتا ہے' بے دین ہے وغیرہ وغیرہ۔ پراپیگنڈہ میں جماعت اسلامی پیش پیش تھی۔ لیکن حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ بیس بائیس سال بعد اسی جماعت کے امیر مرحوم ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو اعتراف کرنا پڑا کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ:

"کتاب و سنت کی کوئی ایسی تعبیر ممکن نہیں جو پبلک لاز کے معاملے میں حنفیوں' شیعوں اور اہل حدیث کے درمیان متفقہ علیہ ہو۔" (ایشیا- 23 اگست 1970ء)

اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوا کہ ان حالات میں قوانین مرتب اور رائج کیسے ہوں! اس کا جواب مرحوم مودودی صاحب نے یہ دیا کہ چونکہ اس ملک میں اکثریت

حنفیوں کی ہے لہٰذا فقہ حنفی کو ملک کے قانون کی حیثیت دی جائے۔ یعنی قرآن بھی نہیں سنت بھی نہیں بلکہ فقہ حنفی، جس کے متعلق مودودی صاحب مرحوم فرما چکے تھے کہ اس میں اسلامی شریعت کو ایک مجمد شاستر بنا کر رکھ دیا گیا ہے....." (سیاسی کشمکش۔ حصہ سوم۔ صفحہ 36)

اس تجویز کے خلاف سب سے پہلے شیعہ حضرات نے صدائے احتجاج بلند کی۔ اہل حدیث نے بھی اس تجویز کی شدت سے مخالفت کی۔ حنفیوں کی ایک جماعت کو بھی مولانا کی یہ تجویز پسند نہ آئی۔ علماء حضرات کے اس باہمی خلفشار اور اس اقرار کے بعد کہ کتاب و سنت کی کوئی تعبیر ممکن ہی نہیں جو سب فرقوں کے لئے قابل قبول ہو، نوجوان طبقہ اسلام سے مایوس ہوتا چلا گیا۔

طلوع اسلام کا موقف یہ ہے کہ اسلامی حکومت صرف اس صورت میں کامیاب ہو سکے گی کہ قرآن کریم کو بنیاد قرار دے کر، حکومت ایک ضابطہ قوانین مرتب کرے جس کا اطلاق تمام مسلمانوں پر ہو۔ اس تجویز کے خلاف کہا جاتا ہے کہ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کریم فرقوں میں قدر مشترک ہے لیکن تعبیر ہر فرقے کی اپنی اپنی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے تعبیر کا اختلاف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب مختلف فرقوں کو تعبیر کا حق انفرادی طور پر دے دیا جائے۔ یہ تعبیر اسلامی حکومت کی طرف سے ہو گی تو اس میں اختلاف کی گنجائش نہ ہو گی۔ کتاب اللہ کی اطاعت جب اجتماعی نظام کی رو سے کی جائے تو اسے اسلامی نظام یا اسلامی مملکت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا خدا کی اطاعت کی عملی شکل اس مملکت یا حکومت کی اطاعت ہو گی جو قرآن مجید کے احکام و اصول و اقدار کے نافذ کرنے کے لئے قائم کی جائے گی۔ اس کے سوا نہ اسلامی حکومت کے قیام کی کوئی صورت ہو سکتی ہے نہ اسلامی قوانین کی ترتیب و ابراء کی کوئی شکل۔

سورہ نساء آیت نمبر 82 میں ارشاد خداوندی ہے کہ خدا کا ضابطہ قوانین (قرآن) ہے کہ اس میں کہیں کوئی بات ایک دوسرے کے خلاف نہیں ملے گی۔ اگر یہ خدا کے بجائے کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات پائے جاتے۔ یعنی قرآن کے منجانب اللہ تعالیٰ کی دلیل دی گئی ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ سورہ الشوریٰ، آیت نمبر 10 میں کہا گیا ہے باہمی اختلافات کے مٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر معاملے کا فیصلہ خدا کے قانون کے رو سے کیا جائے۔

یہی چراغ جلے گا تو روشنی ہو گی

سر نہ جھکا تیرا اغیار کے آگے

"ایک دفعہ قائداعظمؒ اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن آمنے سامنے بیٹھے فائلوں کا معائنہ کر رہے تھے۔ اچانک فائل دیکھتے دیکھتے قائداعظمؒ کی عینک زمین پر گر گئی۔ اس سے قبل کے قائداعظمؒ اپنی عینک زمین سے اٹھاتے ماؤنٹ بیٹن جلدی سے بولے "مسٹر جناح! آپ تو اپنے مخالفوں کے سامنے ہرگز جھکنا پسند نہیں کرتے۔ اب دیکھوں گا آپ جھکے بغیر کس طرح عینک اٹھاتے ہیں"۔ قائداعظمؒ نے تھوڑا سا مسکرا کر ماؤنٹ بیٹن کی طرف دیکھا اور اپنی جیب سے دوسری عینک نکال کر چہرے پر لگا لی"۔

(خالد پرویز ملک۔ "نوائے وقت" 11 ستمبر 1989ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید سبط الحسن ضیغم (لاہور)

کیا موہن داس کرم چند گاندھی "مہاتما" تھے؟

"ہندو کیا چاہتا ہے" کے عنوان سے علامہ غلام احمد پرویزؒ کا تحقیقی مقالہ روزنامہ نوائے وقت میں ان دنوں قسط وار شائع ہو رہا ہے۔ تادم تحریر اس کی بیس قسطیں شائع ہو چکی ہیں۔ علامہ غلام احمد پرویزؒ کی تحقیق کو آگے بڑھاتے ہوئے جناب سید سبط الحسن ضیغم صاحب نے "موہن داس کرم چند گاندھی "مہاتما" تھے؟ کے عنوان سے نوائے وقت ہی میں ایک نئے سلسلے کا آغاز کیا ہے جسکی دو قسطیں قارئین کی نذر ہیں۔ (مدیر طلوع اسلام)

قارئین نوائے وقت' جناب غلام احمد پرویزؒ کا مقالہ پڑھ رہے ہیں جو ہندو مت' ہندو سیاست اور متحدہ ہندوستان کے بارے میں ان کے عزائم اور ارادوں کے بارے میں بہت پہلے لکھا گیا' بھارت ورش میں پیدا ہونے والے اس مکر کا تجزیہ ہے جو بھارتی جنتا پارٹی کے سیاسی عزائم کے روپ میں مجسم طور پر دکھائی دے رہا ہے۔ کینیڈا سے طبع ہونے والے پنجابی ہفت روزہ "چڑھدی کلا" میں ایک تحقیقی مضمون "کیہ موہن داس گاندھی' مہاتما سی؟ کے عنوان سے 8 جولائی 1998ء کے شمارہ میں چھپا ہے جو گوربھجن سنگھ گل نے تحریر کیا ہے جو بلا شبہ اس سمت میں ایک تحقیقی مقالہ ہے اور بلا شبہ غلام احمد پرویز مرحوم کی تحقیق میں مزید اضافہ ہے۔

انھوں نے ہندو دھرم اور سیاست کے حوالہ سے بات کی ہے جبکہ سیاست کے نقطہ نظر سے گاندھی ازم کے مطالعہ میں گوربھجن سنگھ گل کا یہ مضمون ایک اہم مطالعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسی تحریروں سے انڈیا میں' مسلمانوں کے حقوق کی جنگ کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے گی جو بالاخر تحریک پاکستان کا روپ اختیار کر گئی اور قیام پاکستان پر منتج ہوئی۔ گور بھجن سنگھ گل کی تحریر ٹھوس تحقیقی حقائق کو جس انداز میں پیش کرتی ہے' اس انداز سے کی جانے والی تحقیق کا وہ انداز ہے جو ترقی پسند فکر کے حامل بھارت باشی ایک عرصہ سے کرنے میں مصروف ہیں تاکہ گاندھی کے اصل خیالات اور ان کی سیاست سامنے آسکے جس پر کئی تہیں چڑھی ہوئی ہیں۔ وہ رقمطراز ہیں: "مشہور دانشور ڈاکٹر بھیم راؤ امبیدکر کا قول ہے کہ اگر مونہہ میں رام رام اور بغل میں چھرا رکھنے والی شخصیت کو مہاتما کہا جا سکتا ہے تو موہن داس گاندھی یقیناً مہاتما ہی تھے"۔

اگر کوئی قلم کار (اگر وہ واقعی دیانت دار ہے) اپنی قلم کو اس جراح کی طرح استعمال میں لانا چاہے جس طرح ایک سرجن اپریشن کے وقت اپنے نشتر کو استعمال کرتا ہے تو وہ سچ اور حقیقت تک پہنچ سکتا ہے لیکن جذبات میں آکر یا بہادری کی داستانیں سنانے والا ادیب اور لکھاری ' نہ ایمان دار کہلا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی لکھی ہوئی کوئی داستان تاریخ کے اثاثہ کا حصہ بن سکتی ہے' ایک من گھڑت کہانی ضرور قرار دی جائے گی۔ بھارت کی یہی بدقسمتی ہے کہ وہاں کے حکمران گروہ نے ایماندار یا بذبات سے پاک کوئی ادیب یا قلم کار پیدا ہونے ہی نہیں دیا' جس کی وجہ سے تاریخ صحیح معنوں میں صفحہ قرطاس پر آ ہی نہیں سکی۔ ہندو بنیاد پرستی کے کارناموں کا اندازہ لگانا کوئی دشوار یا کٹھن عمل نہیں ہے۔ مائیکل ایڈورڈ نے 1986ء

میں جب "مہاتما نا تھاس" نامی کتاب لکھی تو پہلی دسمبر کو پارلیمنٹ میں کے۔ کے۔ برلا نے کتاب کو ضبط کرنے کیلئے آواز بلند کر دی تاکہ کتاب پڑھنے سے اصل مہاتما سے اہل وطن کہیں متعارف نہ ہو جائیں۔

نوجوان نسل کو تاریخ کا مطالعہ کرنے کی بجائے تاریخ کے نام پر ایسی من گھڑت کہانیاں تھما دی جاتی ہیں' جن سے مورکھ بننے کے علاوہ ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا مگر ایک ایماندار ادیب یا لکھاری اپنی جان کو خطرات میں ڈال کر بھی سچ لکھتا ہے۔ آر۔ ایچ موہندار ایسے مورخ نے لکھا کہ گاندھی تو تاریخ کی شاندار شکست کا نام ہے۔ مائیکل ایڈورڈ لکھتے ہیں کہ گاندھی کی جیون کتھا ایک کٹر ہندو چنتی کی کہانی' اس کا پیغام ہندو دھرم کا سندیسہ' اس کی فکر ہندو اور ہندو کی سوچ خود اپنی ذات کے گرد گھومتی ہے۔ ہندو کو کسی دوسرے فرد کے بارے میں کوئی چنتا یا فکر نہیں ہوتی۔ وہ اپنی ذات ہی کا اسیر اور قیدی ہوتا ہے۔ گاندھی نے برطانوی سامراج کی جگہ تنگ نظر برہمن ازم کو راج سنگھاسن پر بٹھانے کے لئے جتن کئے جو انتہائی جابرانہ اور بدترین سسٹم کا دوسرا نام ہے۔

آج بھارت براہمن سامراج کے شکنجے میں جکڑے جانے کی وجہ سے اپنی بدقسمتی پر آنسو بہا رہا ہے۔ اگر گاندھی نہ ہوتا تو بھارت میں ایسا معاشی اور سیاسی انقلاب آچکا ہوتا جہاں برہمن سامراجی فلسفہ کی تنگ نظری کا سنگھاسن جھومنے کی بجائے روشن فکری پر دھان ہوتا۔ اس انقلاب کو روکنے' ہندو دھرم کو بچانے اسے سیاسی قوت بخشنے اور اسے ایک دہشت پسند منظم گروہ بنانے کے لئے ہی تو گاندھی نے جدوجہد کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر تھانہ میں جو بھارتی تشدد کا ابتدائی مرکز ہے وہاں گاندھی کی تصویر کو لٹکایا ہوا دکھایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر امبیدکر کا قول ہے کہ بھارتی حکمرانوں کا وشواس اخلاق یا اصولوں پر نہیں کیونکہ انصاف یا سچائی کا لفظ ان کی لغت میں موجود ہی نہیں۔ بنیادی مقصد لوٹ کھسوٹ اور لالچ چلا آرہا ہے۔ دھوکہ اور دغا بازی ان کے ایمان کی سیڑھی کا پہلا ڈنڈا ہے۔ کمزور کے یہی ہتھیار ہوتے ہیں اس لئے گاندھی نے انہیں پوری طرح استعمال کیا۔ گاندھی تو برہمن سامراج کا نمائندہ تھا۔ جس میں انصاف' آزادی' برابری' بھائی چارہ' لوک راجی سیاست' سوشلسٹ نظام معیشت اور رواداری مذہبی تعلقات کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

جب پنجاب میں پگڑی سنبھال جٹا کے نام سے تحریک چل رہی تھی تو گاندھی نے یکم جون 1907ء کو انڈین یونین میں لکھا کہ ہم انگریز ختم کر کے نقصان اور گھاٹے میں رہیں گے۔ انگریز ایک بڑی طاقتور قوم ہے اور بھارتی ان کی حکمرانی کے جھنڈے تلے عیش و عشرت اور خوشحالی میں جیون بتا رہا ہے اس لئے بھارت میں اس کا خاتمہ نہیں ہونا چاہئے۔ یکم اگست 1908ء کو لکھا کہ بال گنگا دھر تلک کے خیالوں کو رد کر دینا چاہئے کیونکہ انگریزی راج کو ختم کرنا بھارت کے مفاد میں نہیں ہے۔ 6-1905ء میں جنوبی افریقہ میں گوروں کے راج کے خلاف بغاوت ہو گئی تو اس نے جنوبی افریقہ پر قابض گورا شاہی کو درخواست دی کہ مجھے یقین ہے کہ برطانوی راج انسانوں کے بھلے کے لئے وجود میں آیا ہے۔ ایک وفادار کی حیثیت سے میری خواہش ہے کہ برطانوی سلطنت کو قائم رہنا چاہئے اور اس کی حفاظت کے لئے میں خود کو ایک رضاکار کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ گاندھی کو جنگ میں برطانوی سامراج کی مدد کرنے کے معاوضہ میں 3 جون 1915ء کو قیصر ہند نامی سونے کا تمغہ دیا گیا جو ازلی غداروں کے سینے پر سجایا جاتا تھا جس پر گاندھی نے کہا کہ اسی لئے تو میں انگریزی راج کی سرپرستی میں رہنا پسند کرتا ہوں۔

اپریل 1918ء میں فرنگی سامراج نے' اپنے ہم خیال اور پروردہ لوگوں کی میٹنگ بلائی تاکہ پہلی عالمی جنگ کی کامیابی کے لئے ہندوستانی عوام کو فوج کے لئے افراد اور

مالی مدد کیلئے تیار کیا جا سکے اور انہیں سیاسی جدوجہد سے الگ کیا جا سکے۔ میٹنگ سے فراغت کے بعد گاندھی نے پریس کو ایک بیان جاری کیا کہ اگر میرا بس چلا تو اہل وطن کو ہوم رول یا ذمہ دار حکومت کے مطالبہ کو ترک کرنے پر زور دوں گا اور ہر صحت مند فرد سے اپیل کروں گا کہ وہ برطانوی سلطنت کو مضبوط کرنے کے لئے خود کو فوج میں بھرتی ہونے کے لئے پیش کرے۔ (یہ بات قابل ذکر ہے کہ قائداعظمؒ اس وقت ہندوستانی کونسل کے ممبر تھے اور جنگ میں ہندوستانی قوم کی شمولیت کے خلاف کونسل میں اور کونسل کے باہر بھی ایسی تقریریں کرنے میں مصروف تھے جس سے برطانوی سامراج کے خلاف ایجی ٹیشن پیدا ہو اور جب فروری 1919ء میں کونسل نے رولٹ ایکٹ نامی بل منظور کیا تو قائداعظمؒ یہ کہتے ہوئے کونسل کی رکنیت سے مستعفی ہو گئے کہ جو کونسل اس قدر گھٹیا جابرانہ کالا قانون منظور کرتی ہے کوئی بھی مہذب آدمی اس کا ممبر نہیں رہ سکتا' اس کی منظوری کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کونسل کی رکنیت سے مستعفی ہوتا ہوں۔ ان کی تقلید میں بہار سے کونسل کے رکن مظہر الحق بھی مستعفی ہو گئے)

13 اپریل 1919ء کو جلیانوالہ باغ امرتسر میں ہونے والے احتجاجی جلسہ پر گولی چلا کر قتل عام کیا گیا مگر گاندھی نے بہانہ سازی کر کے پورے دو ماہ کے لئے چپ سادھ لی۔ دو مہینوں کے بعد جب وہ پنجاب کے دورہ پر پہنچا تو لوگوں کا غصہ اور سامراج سے نفرت کو دیکھ کر' گاندھی کو خود کو بدلنا پڑا اور لوگوں کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے مذمتی بیان بھی دیئے۔ اس وقت وہ 51 سال کا ہو چکا تھا۔ بقول شخصے اس کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ چکے تھے اور عقل داڑھ پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔

فروری 1922ء میں سول نافرمانی کی تحریک زوروں پر تھی جس پر سامراجی قوتوں کا پریشان ہونا قدرتی بات تھی۔ جس پر چورا چوری کے واقعہ کا بہانہ بنا کر تحریک واپس لے کر انقلابی ابھار کی پشت پر گاندھی نے چھرا گھونپ دیا۔ چترنجن داس' موتی لعل نہرو نے اس فیصلہ سے اختلاف کیا مگر گاندھی نے ان کی چلنے نہ دی جس پر آزادی کی تحریک ایسی بلندی سے پستی کی طرف گری کہ انگریزوں کی پریشانی دور ہو گئی۔ مارواڑی تاجر سامراج کے گماشتہ تھے مگر وہ کانگریس کا خزانہ تھے۔ وہ اس سازش میں برابر کے شریک تھے۔ اسی وجہ سے کوئی ایسا اقدام نہ اٹھایا جاتا جسے وہ پسند نہ کرتے۔ گویا کانگریس ان کے مفادات کی سیاسی نگران تھی اور گاندھی ان کا اور وہ گاندھی کے مشیر اور ہدایت کار تھے۔

1904-31ء میں نوجوان حریت پسندوں' انقلابیوں اور بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں نے ایک انقلابی تحریک کو جنم دیا جس کی وجہ سے دلیر اور بہادر لوگ تحریک آزادی کے ہراول دستہ میں شامل ہو چکے تھے۔ بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں کی رہائی کے لئے تحریکیں چل رہی تھیں۔ میرٹھ سازش کیس نے مزدور جدوجہد کو تیار کر دیا تھا۔ کانگریس میں سبھاش چندر بوس نے گاندھی کے ہم خیال لوگوں کو کمزور کر دیا تھا۔ عالمی معاشی بحران کا آغاز ہو چکا تھا۔ آل انڈیا کانگریس کا اجلاس کراچی میں 26 مارچ 1931ء کو ہو رہا تھا کہ مارواڑیوں کی سفارش اور آشیر باد پر گاندھی ارون سمجھوتہ 5 مارچ 1931ء کو ہوا' جس کے لئے زمین ہموار کرنے کے لئے پہلے سبھاش چندر بوس کو جیل میں بند کرایا گیا۔ ارون نہرو سمجھوتہ میں بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں کو پھانسی دینے کا فیصلہ ہوا جس کی تائید گاندھی نے کی اور 23 مارچ 1931ء کو انہیں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا جس پر کراچی پہنچنے پر گاندھی کا کالی جھنڈیوں اور گاندھی گو بیک کے نعروں سے سواگت کیا گیا اور اس طرح پورے شرمناک کردار کا مظاہرہ کر کے گاندھی نے انگریزی سامراج کو تحفظ فراہم کیا اور جنگ آزادی کے

انقلابی ابھار کو دہشت گردی قرار دے کر جہاں انگریز کی ہم نوائی کی وہیں اس ابھار کو ختم کر کے آزادی دشمن کا کردار ادا کیا۔

1937ء میں اسمبلیوں کے الیکشن ہوئے' سات صوبوں میں کانگریسی حکومتیں قائم ہوئیں' مسلمانوں نے راج پاٹ میں شریک ہونے کے لئے اپنا حصہ مانگا تو گاندھی اور پنڈت جواہر لعل نہرو نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا کہ کسی مسلمان کو کوئی وزارت نہیں دی جا سکتی اور ان صوبوں میں مسلم اقلیتوں کو دبانے کی پالیسی جاری کر دی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ کانگریس' ہندو مفادات کی نمائندہ جماعت ہے اور مسلمانوں کو اس سے کسی بھلے کی امید نہیں رکھنا چاہئے۔ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندہ اور پاسدار جماعت ہے۔ چنانچہ وہ پہلی بار مسلم لیگ کی طرف راغب ہوئے۔

بنگال میں ابوالقاسم فضل الحق وزیراعظم چنے گئے۔ جن کا تعلق کریشک پرجا پارٹی سے تھا۔ پارٹی منشور کے مطابق انہوں نے مزارعہ ایکٹ بنگال قانون ساز اسمبلی سے منظور کرایا اور کسانوں کی مالی حالت بہتر بنانے کے لئے عملی قدم اٹھایا۔ اس قانون کی وجہ سے ہندو جاگیرداروں اور مارواڑیوں کو نقصان ہوا کیونکہ گاندھی ان کا نمائندہ اور ان کے مفادات کے لئے سیاسی جدوجہد کر رہا تھا۔ چنانچہ مولوی ابوالقاسم فضل الحق کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی جبکہ سبھاش چندر بوس مولوی صاحب کو اپنا ہم سفر بنانا چاہتے تھے۔ گاندھی کی کسان دشمنی اور اے کے فضل الحق کے خلاف محاذ آرائی ہی کا نتیجہ تھا کہ مولوی صاحب نہ صرف مسلم لیگ میں شامل ہو گئے بلکہ قرارداد لاہور بھی انہوں نے پیش کی جسے تاریخ میں پاکستان ریزولیشن کا نام دیا گیا ہے۔ اے کے فضل الحق کی وزارت تو نہ ٹوٹ سکی مگر گاندھی اندولن کے نتیجہ میں بنگال بھی مسلم لیگ کا صوبہ بن گیا۔ گاندھی کی فرقہ پرستی پر مبنی سوچ کا نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ جس لیڈر کو سبھاش چندر بوس کانگریس میں لانے کی کوشش میں کامیاب ہوتے دکھائی دے رہے تھے' گاندھی کی تنگ نظری اور مسلم دشمنی کی وجہ سے وہ شخص کانگریس کے خلاف ہو گیا۔

قلابازی...... برہمن ازم کی غیر سائنسی لیکن سیاست پر کامل قبضہ کرنے کی منصوبہ بندی نے انہیں مہاتما بنا دیا' یہاں تک کہ گاندھی کو اچھوتوں کا رہبر بھی بنا دیا گیا تاکہ پسماندہ طبقات کو پوری طرح ہندوازم کے شکنجے میں کس دیا جائے۔ لیکن اس جکڑ بند سے نکالنے کے لئے جدوجہد کرنے والے ڈاکٹر امیدکر کی رائے میں کہ گاندھی تو اچھوتوں کا دشمن نمبر ایک ہے گاندھی کو پختہ یقین تھا کہ ذات پات ہی کی وجہ سے ہندو سماج قائم ہے اور اسی فلسفہ نے ہندو دھرم کو ٹوٹنے سے بچایا ہوا ہے۔ جس فرقے نے ذات پات کے فلسفہ کو تخلیق کیا وہ صحیح معنوں میں تنظیمی طور پر اس ڈھانچے کو بنانے اور قائم رکھنے کی مہارت رکھتا ہے۔ گاندھی کے نزدیک مل جل کر رہنا مشترکہ طور پر مل جل کر کھانا اور ذات برادری اور گوت کے خلاف شادی کرنا' ہندو سماج کے لئے گھاتک اور جان لیوا ہے' اس لئے ایسے خیالات کو پروان چڑھنے اور پرورش پانے سے روکنا چاہئے۔

گاندھی اس قدر پاکھنڈی تھا کہ 1921ء میں گنگا دھر تلک سوراج فنڈز کے مبلغ 1,35,00,000 روپوں میں سے مبلغ 43,000 روپے اچھوتوں کے لئے علیحدہ رکھ لئے۔ اس وقت وہ نعرے بازی کرنے میں مصروف تھا کہ چھوت چھات ختم کئے بغیر آزادی کا سورج طلوع نہیں ہو سکتا۔ 1929ء میں اچھوتوں نے عام مندروں میں داخل ہونے اور مشترکہ پانی کے کنوؤں سے پینے کے لئے پانی حاصل کرنے کے حق کے حصول کے لئے بمبئی صوبہ میں تحریک چلائی لیکن گاندھی نے اچھوتوں سے ان کے چھینے ہوئے حقوق کے حصول کے لئے چلنے والی تحریک کی نہ صرف

مذمت کی بلکہ مضبوطی سے مخالفت کی کہ یہ تحریک مقامی ہندو سامراج کے خلاف چلانے کی بجائے غیر ملکیوں (اس میں مسلمان بھی شامل ہیں) کے خلاف چلائی جانی چاہئے۔

1935ء میں اچھوتوں نے احمد آباد کے ایک قصبہ میں مشترکہ سکول میں اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے داخل کرانے کا فیصلہ کیا تو ہندوؤں نے اس سکول کا بائیکاٹ کر دیا جس پر گاندھی کو بڑا دکھ ہوا جس پر اس نے اچھوتوں کو حکم دیا کہ وہ یہ قصبہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں تاکہ ہندوؤں کا متحدہ محاذ قائم رہے اور ٹوٹنے نہ پائے گویا وہ خود کو غلام ہی سمجھیں اور غلامی کی زنجیروں کو اور بھی اپنے ہی ہاتھوں سے مضبوط کریں۔

اس سے تین سال پیشتر گورنر جنرل نے 1932ء میں مندر کے دروازے ہر ہندو اچھوت غیر اچھوت شہری پر کھولنے کے بل پیش کرنے کی اجازت دی تو گاندھی نے اس کی بھرپور مخالفت کی کہ اس بل سے ہندوؤں کو تکلیف ہو گی کیونکہ ہندو شاستروں کی تعلیمات کے مطابق اچھوت مندروں میں داخل ہونے کا ادھیکار نہیں رکھتا۔ اسی کو مہاتما کہتے ہیں جو امیروں اور غریب لوگوں کے درمیان مذہب کی بنیاد پر نفرت کی دیوار تعمیر کرتا ہے۔ 1933ء میں ہریجن سیوک سنگھ کے نام سے کانگریس نے گاندھی کی آشیر باد پر ایک تنظیم قائم کی جس کا کسی اچھوت کو ممبر نہ بنایا گیا۔

گول میز کانفرنس میں گاندھی نے مسلمان نمائندوں سے سودا بازی کرنے کی کوشش کی کہ وہ مسلمانوں کے چودہ نکات تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ مسلمان اچھوتوں کے مطالبات کو نامنظور کر دیں۔ ڈاکٹر امبیدکر نے اپنی مشہور کتاب گاندھی اینڈ گاندھی ازم کے صفحہ 67-68 میں گاندھی کے اس فعل کو غنڈہ گردی سے تعبیر کیا ہے۔

سی پی میں ڈاکٹر این پی کھرے مکھ منتری تھے۔ انہوں نے ایک وزارتی قلمدان ایک اچھوت "اگنی بھوج" کے سپرد کر کے اسے بھی وزارت میں شامل کر لیا۔ مگر 26 جولائی 1938ء کو واردھا آشرم میں ہونے والے کانگریس کے اجلاس میں مسٹر کھرے کے اس فیصلہ کی مذمت کی گئی۔ گاندھی نے متنبہ کیا کہ وزارتوں میں اچھوتوں کو شامل کر کے انہیں سر پر نہ چڑھایا جائے۔ چنانچہ اگنی بھوج سے وزارت چھین لی گئی۔

گاندھی کا بانیئے سود خوروں، جاگیرداروں، کرپشن اور برہمن ازم سے گٹھ جوڑ تھا سرمایہ داروں کی سرپرستی ہی میں کانگریس نے ترقی کی ہے۔ بانیا جانتا ہے کہ حاکم جماعت کو پیسہ دینا بیوپار کو دگنا کرنا ہے۔ اسی لئے گاندھی نے برلا کو ساتھ ملایا ہوا تھا۔ بھارت کا ہر بیوپاری سرکاری ہوتا ہے اور وہ انقلابی تبدیلیوں کی مخالفت کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ بھارت کے سیاسی، سماجی اور معاشی ڈھانچہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہونا چاہئے۔ یہ بات آج بھی سچ ہے اور گاندھی کے عہد میں بھی ایک ننگی سچائی تھی۔ برلا جہاں گاندھی کا میزبان تھا وہیں برطانوی سامراج کا بھی صلاح کار اور دوست تھا جس طرح آج سکھ لیڈروں کو مرکزی حکومت معمولی قیمت پر اپنے ساتھ ملا کر اپنی من مرضی سے فیصلہ کر کے ان سے انگوٹھے لگوا لیتی ہے اسی طرح برطانوی سامراج برلے کی وساطت سے گاندھی سے اپنی خواہش اور پالیسیوں کے فیصلہ کراتا تھا۔

انگلستان نے 3 ستمبر 1939ء کو جرمنی کے خلاف جنگ کا آغاز کر دیا۔ اگلے ہی دن وائسرائے ہند نے بھی جنگ میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔ ہندوستان کے آزادی پسند حلقوں نے اسے ناپسند کیا مگر برطانوی سامراج کا پٹھو گاندھی شملہ پہنچ گیا اور لارڈ **لنلتھگو** سے مل کر اخبارات کو بیان دیا کہ اگرچہ برطانوی راج سے ان کا اختلاف ہے لیکن اس مشکل گھڑی میں ہندوستان برطانوی راج سے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہے۔ میں ہندوستان کی آزادی کے بارے میں نہیں سوچتا۔ یہ آزادی کس کام کی

ہے اگر برطانیہ اور فرانس جنگ میں ہار جائیں۔ 14 ستمبر 1939ء کو گاندھی نے بیان دیا کہ برطانیہ کو ہر امداد غیر مشروط ہو گی۔ ہم برطانیہ کو تباہ و برباد کرا کے آزادی نہیں چاہتے۔

گاندھی نے اپنے اخباروں (ہریجن اور ینگ انڈیا) میں پرچار شروع کر دیا کہ' بمبئی کی کانگریسی سرکار نے صوبے بھر میں تمام مندروں کے دروازے اچھوتوں کے لئے کھلوا دیئے ہیں۔ بمبئی سرکار نے بھی 17 اگست 1939ء کو اعلان کیا کہ صوبہ میں 142 مندروں کے دروازے اچھوتوں کیلئے کھول دیئے ہیں جب دلت میل کے لوگوں نے اس اعلان کو جانچنے کے لئے حقائق تک پہنچنے کی کوشش کی تو انہیں معلوم ہوا کہ ان میں سے 121 مندر تو ایسے ہیں جو سڑکوں پر بنے ہوئے ہیں۔ وہاں پوجا کے لئے کوئی جاتا ہی نہیں۔ وہ کھنڈرات ہیں صرف لوگوں کو فریب میں مبتلا کرنے کے لئے۔

(نوائے وقت 10-7 اگست 1998ء)

قرآن نے کیا کہا؟

دنیا کی ہر قوم اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتی ہے کہ وہ کس طرح باقی اقوام عالم کے مقابلہ میں بڑائی اور کبریائی حاصل کر سکتی ہے۔

اس مقصد کے لئے کوئی قوم یہ سوچتی ہے کہ وہ اپنی مصنوعات کو اتنی ترقی دے کہ باقی قومیں اپنی ضروریات زندگی کیلئے اس کی محتاج ہو جائیں۔ کوئی یہ سوچتی ہے کہ وہ اپنی تجارت کو اس قدر عالمگیر بنا دے کہ ساری دنیا کی دولت سمٹ کر اس کے خزانوں میں آجائے۔ کوئی سوچتی ہے کہ وہ بساط سیاست پر اس قسم کی مہرہ بازی کرے کہ باقی قوموں کی سب چالیں مات پڑ جائیں۔ کوئی کہتی ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی قوموں کو ساتھ ملا کر اپنا جتھہ اتنا مضبوط کر لیں کہ کسی قوم کو ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ پڑے۔ کوئی کہتی ہے کہ نہیں! دنیا میں قوت کا راز اسلحہ ہے۔ ہم اپنے ہتھیاروں کو اس قدر محکم بنا لیں کہ اس آہنی دیوار کو کوئی توڑ نہ سکے اور ان میں ایسے ایسے اضافے کرتے رہیں جن کا جواب کسی کے پاس نہ ہو۔

یہ سب قومیں اسی انداز سے سوچتی ہیں اور اپنے اپنے طور پر مطمئن ہو جاتی ہیں کہ اگر ہم نے یوں کر لیا تو پھر ہمیں راستے سے ہٹانے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔

لیکن قرآن کہتا ہے کہ یہ سب تجویزیں غلط ہیں۔ تم ان میں سے جو جو تدبیر چاہے کر کے دیکھ لو

ساصرف عن ایتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق (7/146)

ہم اپنے قوانین کے زور سے ان تمام لوگوں کو زندگی کی راہ سے ہٹا کر الگ کر دیں گے جو یہ چاہتے ہیں کہ (نوع انسانی کیلئے) ٹھوس تعمیری نتائج مرتب کئے بغیر دنیا میں بڑائی اور کبریائی حاصل کر لیں۔

بڑائی اور کبریائی صرف اسے حاصل ہو گی جو مثبت تعمیری نتائج (Positive, Constructive rsults) پیدا کرنے والے کام کریں گے۔ جو ایسا نہ کریں گے انہیں بساط زنگی سے ہٹا کر الگ کر دیا جائے گا۔

کوئی ہے جو اس پند بر دیوار سے نصیحت حاصل کرے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تنویر مفتی۔ (سویڈن)

ترجمہ یا مفہوم

سویڈن آنے کے کچھ عرصہ بعد مجھے سویڈش زبان پر عبور حاصل ہوا تو یہاں مجھے بطور ترجمان کام کرنے کا موقع ملا۔ حکومت کے کسی کارندے کو کسی اردو/پنجابی بولنے والے سے واسطہ پڑتا تو ترجمانی کے لئے مجھے بلا لیا جاتا۔ اس دوران میں نے محسوس کیا کہ ترجمے اور ترجمانی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ دنیا کی ہر زبان ضرب المثال اور محاوروں سے مزین ہوتی ہے۔ ان محاوروں کا ترجمہ بعض اوقات عجیب صورت حال پیدا کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ ایک دفعہ ایک پنجابی نے سویڈش گورنمنٹ سے سیاسی پناہ مانگی۔ تفتیش کے لئے بطور ترجمان مجھے بھی بلا لیا گیا۔ دوران گفتگو پنجابی نے کہا۔ ماف کرنا جی میں تواڈی گل کت رہیاں۔ اوتھے اسیں کجھ نئیں کر سکدے' ساڈے ہتھ کٹے ہوئے نیں"۔ جو بات میں نے سویڈش افسر تک پہنچائی وہ یہ تھی۔ "قطع کلامی معاف۔ وہاں ہم مجبور ہیں۔ کچھ نہیں کر سکتے"۔۔ پنجابی زبان جاننے والے حضرات سمجھ سکتے ہیں کہ میں نے پنجابی آدمی کا مافی الضمیر سویڈش افسر تک پہنچانے کا حق پوری دیانتداری سے ادا کر دیا لیکن یہ ترجمانی ہوئی ترجمہ تو نہ ہوا۔ ترجمہ کرتا تو بیچارا سائل اسی وقت جہاز میں بٹھا دیا جاتا۔

شروع دن سے یہ الجھن مجھے ذہنی طور پریشان کئے ہوئے تھی کہ دنیا بھر کے علماء نے قرآن مجید کے تراجم لکھے۔ پرویزؒ صاحب نے مفہوم القرآن لکھ کر ایک نئی طرح ڈال دی۔ کیا اس سے ہم قرآن سے دور نہیں ہو جائیں گے؟۔ یہ بات میری سمجھ میں اس وقت آئی جب دیار غیر میں دوسری زبانیں بولنے والوں سے میرا واسطہ پڑا۔ ہماری گفتگو ریکارڈ ہوئی۔ اس کا ترجمہ کیا گیا تو بہت سے دھر لئے گئے۔ دو دوست محو گفتگو تھے ایک نے پوچھا "کی حال اے وطن دا" دوسرا بولا۔ "کجھ نہ پچھ اتی پئی ہوئی اے"۔ ترجمہ کیا گیا Blind Woman is Lying پولیس آج تک سرگرداں ہے کہ وہ اندھی عورت جس کا ذکر یہ لوگ کر رہے تھے' ہمارے ملک میں آکر گئی کہاں؟

بات اب سمجھ میں آئی لفظی ترجمہ کتنی الجھنیں پیدا کرتا ہے اور البتہ' بے شک' تحقیق کی بھول بھلیوں میں الجھے ہوئے قرآن مجید کے تراجم کیوں سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ پرویزؒ مرحوم کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے محاورہ عرب کو سمجھا اور تحت اللفظ ترجمہ کر کے محاوروں کا حلیہ بگاڑنے کی بجائے ان محاوروں کا مفہوم ہم تک پہنچایا۔ مگر اس سے ہوا یہ کہ دین کا مفہوم نکھر کر نگاہوں کے سامنے آیا تو یہ یقیناً اس سے مختلف تھا جس کا نقشہ ہم آج تک اپنی آنکھ کی پتلی میں بٹھائے ہوئے تھے۔ ہمارے لئے اب دو ہی راستے ہیں۔ یا تو "اندھی عورت" کی تلاش جاری رکھیں یا مفہوم القرآن کی شمع سے روشنی پا کر وطن عزیز سے اس اندھیر نگری کا خاتمہ کر دیں جس کا رونا ایک پاکستانی نے دیار غیر میں رویا تھا۔ بات ہے ذرا سمجھنے کی۔

PAMPHLETS--پمفلٹ

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔ مندرجہ ذیل پمفلٹس دو روپے فی پمفلٹ کے حساب سے ڈاک ٹکٹ بھجوا کر طلب فرمائیں۔

1- آرٹ اور اسلام
2- احادیث کا صحیح ترین مجموعہ
3- اسلام کیا ہے؟
4- الزکوٰۃ
5- اسلام آگے کیوں نہ چلا؟
6- اسلامی قوانین کے راستے میں کون حائل ہے؟
7- اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
8- الصلوٰۃ
9- اندھے کی لکڑی
10- بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
11- جہاں مارکس ناکام رہ گیا
12- حرام کی کمائی
13- خدا کی مرضی
14- دعوت پرویز کیا ہے؟
15- دو قومی نظریہ
16- روٹی کا مسئلہ
17- سوچیو (سندھی)
18- سوچا کرو
19- عالمگیر افسانے
20- عورت قرآن کے آئینے میں
21- فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟
22- قرآن کا سیاسی نظام
23- قرآن کا معاشی نظام
24- قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر
25- کیا قائداعظم پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
26- کافری گری
27- مرض تشخیص اور علاج
28- مقام اقبالؒ
29- مرزائیت اور طلوع اسلام
30- مقام محمدی
31- ماؤزے تنگ اور قرآن
32- ہم میں کریکٹر کیوں نہیں؟
33- ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
34- Islamic Ideology
35- Is Islam a Failure
36- Why Islam is the Only True Deen?

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خان افضل آفریدی۔ (خیبر ایجنسی)

بہتان تراشی کے لئے بھی کچھ سلیقہ چاہئے

روزنامہ مشرق 19 جولائی 1998ء کو نام نہاد ایکشن کمیٹی برائے انسداد قادیانیت کے ایک رہنما نور محمد عربی صاحب کا ایک مضمون بعنوان "قادیانیت اور پرویزیت ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں" نظروں سے گذرا۔ افسوس کا مقام ہے کہ نور محمد عربی صاحب جو غالباً بغدادی قاعدہ پڑھ کر اور چند قرآنی آیات شریف حفظ کر کے کسی مسجد میں پیش امام بن بیٹھے ہیں، ان کو یہ علم ہی نہیں کہ پرویزیت نام کا کوئی فرقہ سرے سے موجود ہی نہیں۔ ان کا مطلب اگر پرویز مرحوم کی تعلیمات سے ہے تو یہ ان کی کم نگہی ہے کہ جس ہستی کے قرآن پر مبنی مضمون کی روشنی میں حکومت نے قادیان فرقے کو خارج از اسلام قرار دیا ہے اس کے خلاف یہ غلط پروپیگنڈا کتنی بڑی بددیانتی ہے۔ نور محمد عربی صاحب کو یہ علم نہیں کہ جناب پرویز صاحب قیام پاکستان سے قبل وائسرائے ہند کے دفتر دہلی میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ ان کے دادا نامی گرامی عالم دین تھے۔ پرویز صاحب ان کے زیر اثر بچپن ہی سے دین اسلام اور قرآنی تعلیمات کے دلدادہ تھے۔ قرآنی حکم کے مطابق وہ اس پر غور و فکر میں مصروف رہے اور دینی اور دنیاوی علوم کا وسیع مطالعہ کیا۔۔ دین سے وابستگی ہی کی بنا پر وہ تحریک پاکستان، جو دو قومی نظریہ پر استوار تھی، کے فکری محاذ سے وابستہ ہو گئے اور اپنے مضامین اور رسالہ طلوع اسلام کے ذریعے تحریک پاکستان کی جدوجہد میں شامل رہے، جس کے لئے تحریک پاکستان گولڈ میڈل کے حقدار قرار دیئے گئے۔ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے سرکاری ملازمت سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی اور خود کو قرآنی فکر کی نشرواشاعت کے لئے وقف کر دیا۔۔۔ اور آخر دم تک اس میں منہمک رہے، متعدد ضخیم کتب تصنیف کیں، لغت اور تبویب جیسی کتب تالیف و ترتیب دیں۔۔۔ تمام عمر سادہ زندگی بسر کی، زندگی نے مہلت نہ دی ورنہ ان کا ارادہ زندگی ہی میں ٹرسٹ قائم کر کے اپنا تمام سرمایہ مادی، علمی ادبی اس کے سپرد کرنے کا تھا۔۔۔ (یہ ٹرسٹ ان کے ہمنواؤں نے ان کی وفات کے بعد قائم کر دکھایا)

نور محمد عربی کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ وہ جناب غلام احمد پرویز صاحب کی لکھی ہوئی مشہور کتاب "ختم نبوت اور احمدیت" کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہو گا کہ صرف اور صرف پرویز صاحب کی وجہ سے تحریک احمدیت کو غیر اسلامی قرار دیا گیا ہے۔ اس کی ابتدا عملی طور پر ایک مشہور مقدمہ سے ہوئی جو "مقدمہ مرزا یہ بہاولپور" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

"1926ء کا ذکر ہے۔ ریاست بہاولپور کی ایک عدالت میں ایک مقدمہ دائر ہوا۔ جس میں ایک مسلمان خاتون نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے خاوند نے قادیانی مسلک اختیار کر لیا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ مرتد ہو گیا ہے۔ اس لئے اس

شخص سے مدعیہ کا نکاح فسخ قرار دیا جائے۔ اس مقدمہ نے ملک گیر شہرت حاصل کر لی اور مسلمانوں میں ایک ہیجان برپا ہو گیا۔ اس لئے نہیں کہ اس میں فریقین کی حیثیت بڑی ممتاز تھی وہ تو بالکل غیر معروف سے تھے۔ یہ اس لئے کہ ہندوستان میں (غالباً) یہ اپنی نوعیت کا پہلا مقدمہ تھا جس میں فیصلہ طلب سوال یہ تھا کہ ایک شخص قادیانی مسلک اختیار کرنے کے بعد مسلمان رہا ہے یا نہیں۔ اس اعتبار سے یہ مقدمہ فریقین ہی کا مابہ النزاع معاملہ نہ رہا بلکہ قادیانیوں اور غیر قادیانیوں کے مابین ایک دینی سوال بن گیا جس کا عدالتی فیصلہ (ظاہر ہے کہ) بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ یہ مقدمہ قریب نو سال تک زیر سماعت رہا۔ اور آخر الامر محمد اکبر صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر نے 17 فروری 1935ء کو اس کا فیصلہ سنا دیا۔ یہ فیصلہ اپنی شہرت اور اہمیت کے پیش نظر اس زمانے میں بھی الگ چھپ گیا تھا اور اس کے بعد بھی چھپتا رہا۔ (ختم نبوت اور تحریک احمدیت مئی 1987ء صفحہ 4)

حال ہی میں اسلامک فاؤنڈیشن۔ ڈیوس روڈ لاہور نے اسے "مقدمہ مرزا یہ بہاولپور" کے عنوان سے من وعن تین جلدوں میں شائع کیا ہے۔ اور اس کی ضخامت 1856 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس فیصلہ میں صفحہ 17 پر لکھا ہے۔ کہ مدعیہ کی طرف سے چھ گواہان مولوی غلام محمد صاحب' شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور' مولوی محمد حسین سکنہ گوجرانوالہ' مولوی محمد شفیع صاحب' مفتی دارالعلوم دیو بند' مولوی مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری' سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری (شیخ الحدیث دارالعلوم دیو بند)' مولوی نجم الدین صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور پیش ہوئے۔ اس سے اس مسئلہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ فاضل جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ اس مسئلہ کا سارا دارومدار اس بات پر تھا کہ نبوت کی حقیقت کیا ہے اور نبی کسے کہتے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ :-

موجودہ زمانے میں بہت سے مسلمان نبی کی حقیقت سے بھی آشنا نہیں۔ اس لئے بھی ان کے دلوں میں یہ مسئلہ گھر نہیں کر سکتا کہ مرزا صاحب کو نبی ماننے میں کیا قباحت ہوئی ہے کہ جس پر اس قدر چیخ و پکار کی جا رہی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کی تھوڑی سے حقیقت بیان کر دی جائے۔ "فیصلہ مذکورہ صفحہ 53)

آگے چل کر فاضل جج نے لکھا ہے کہ مدعیہ اور مختلف علمائے کرام کی طرف سے پیش کردہ نبی کی تعریفیں میرا اطمینان نہ کر سکیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ :-

"یہ تعریفیں چونکہ اس حقیقت کے اظہار کے لئے کافی نہ تھیں۔ اس لئے میں اس جستجو میں رہا کہ نبی یا رسول کی کوئی ایسی تعریف مل جائے جو تصریحات قرآن کی رو سے تمام لوازم نبوت پر حاوی ہو۔ اس سلسلہ میں مجھے مولانا محمود علی صاحب پروفیسر رندھیر کالج کی کتاب "دین و آئین" دیکھنے کا موقعہ ملا۔ انہوں نے نبوت کی حقیقت یہ بیان کی کہ "جس شخص کے دل میں کوئی نیک تجویز بغیر ظاہری وسائل اور غور کے پیدا ہو ایسا شخص پیغمبر کہلاتا ہے اور اس کے خیالات کو وحی سمجھا جاتا ہے"۔ لیکن یہ تعریف بھی مجھے دلچسپ معلوم نہ ہوئی۔ آخر کار ایک رسالہ میں ایک مضمون بعنوان میکانکی اسلام از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز میری نظر سے گذرا۔ اس میں انہوں نے مذہب اسلام کے متعلق آج کل کے روشن ضمیر طبقہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے اور پھر خود ہی اس کے حقائق بیان کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں نبوت کی جو حقیقت انہوں نے بیان کی ہے میری رائے میں اس سے بہتر اور کوئی بیان نہیں کی جا سکتی اور میرے خیال میں فریقین میں سے کسی کو اس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر جناب محمد اکبر صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ :

"مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا

صاحب کاذب مدعی نبوت ہیں۔ اس لئے مدعا علیہ بھی مرزا صاحب کو نبی تسلیم کرنے سے مرتد قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا ابتدائی تحقیقات جو 4 نومبر 1926ء کو عدالت منصفی احمد پور شرقیہ سے وضع کی گئی تھیں بحق مدعیہ ثابت قرار دی جاکر یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے لہٰذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے۔ اور اگر مدعا علیہ کے عقائد بحث مذکورہ بالا کی روشنی میں تو بھی مدعا علیہ کے ادعا کے مطابق مدعیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی امتی نبی نہیں ہو سکتا اور یہ کہ اس کے علاوہ جو دیگر عقائد مدعا علیہ نے اپنی طرف منسوب کئے ہیں وہ گو عام اسلامی عقائد کے مطابق ہیں لیکن ان عقائد پر وہ انہی معنوں میں عمل پیرا سمجھا جائیگا جو معنے مرزا قادیانی نے بیان کئے ہیں اور یہ معنی چونکہ ان معنوں کے خلاف ہیں جو جمہور امت آج تک لیتی آئی ہے اس لئے بھی وہ مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا ہے اور ہر دو صورتوں میں وہ مرتد ہی ہے اور مرتد کا نکاح چونکہ ارتداد سے فسخ ہو جاتا ہے لہٰذا ڈگری بدیں مضمون بحق مدعیہ صادر کی جاتی ہے کہ وہ تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے اس کی زوجہ نہیں رہی۔ مدعیہ خرچہ مقدمہ بھی ازاں مدعا علیہ لینے کی حقدار ہو گی۔"

مولوی صاحب سنی سنائی باتوں پہ یقین کر کے بات لے اڑے۔ اگر انہوں نے ان کی کتاب "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" کا مطالعہ کیا ہوتا تو وہ کبھی ایسا نہ کرتے۔ یہاں مجھے ایک اخباری بیان یاد آگیا۔ جو تقریباً 30/35 سال قبل چھپا تھا۔ اس کے مطابق یہودی حکومت نے کچھ عربی زبان بولنے والوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کر کے مختلف اسلامی ممالک کو بھیجا تھا تاکہ وہ ان ملکوں میں فرقہ واریت کے تنازعے کھڑے کر کے مسلمانوں کو آپس میں لڑائیں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ یہی مختلف فرقے شیعہ، سنی وغیرہ کئی صدیوں سے ہندوستان میں آباد ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد جب سے اسرائیلی حکومت بنی ہے ان فرقوں میں اختلافات رونما ہونے شروع ہوئے اور اب تک کتنے لوگ جن میں علماء بھی شامل ہیں لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ ان تمام واقعات کے پیچھے وہی یہودی ساخت ملاؤں، علماؤں کا ہاتھ ہے۔ خاص کر جب حکومت کسی نازک مرحلہ سے ہمکنار ہو تو یہ حضرات پاکستان میں بدامنی پھیلانے کی کوشش تیز کر دیتے ہیں۔ اسرائیلی پالیسی کے مطابق ان ملاؤں کو ترجیحاً" کم تعلیم یافتہ اور کم ترقی یافتہ علاقوں، خاص کر قبائلی علاقہ جات، میں فرقہ واریت پھیلانے کی ترغیب دی جاتی ہے کیونکہ ان علاقوں میں حکومت کی گرفت قدرے کمزور ہوتی ہے۔

ایسا ہی ایک عالم دین کچھ عرصہ قبل علاقہ غیر خیبر ایجنسی آیا تھا جس نے "پنج پیری" شوشہ اٹھا کر کئی قبیلوں میں فساد برپا کرا دیا لیکن پولیٹکل حکام نے بروقت مناسب اقدام کر کے اسے ختم کر دیا۔ بعد میں معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ وہ عالم بذات خود یہودی تھا جو اب تک روپوش ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہودی حکومت نے ہمارے فرنٹیئر صوبہ میں کافی پیسہ خرچ کیا ہے جو حکومت کیلئے ہر دوسرے روز نئی سے نئی الجھن پیدا کرتا ہے۔ کبھی مالاکنڈ سے اسلامی نظام کی تحریک شروع ہوتی ہے تو کبھی شیعہ سنی بات چھڑ جاتی ہے۔ اب تو ضلع سوات میں جہاں صرف تین چار فیصد آبادی تعلیم یافتہ ہے ایک نئی پارٹی سامنے آئی ہے جو انسداد قادیانیت کی روپ میں عوام کے اندر پریشانی پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہے حالانکہ حکومت پاکستان قادیانیت کو پہلے ہی خارج از اسلام قرار دے چکی ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ جناب نور محمد عربی کے متعلق تحقیقات کرے اور اگر وہ سوات کا اصل باشندہ نہیں تو اسے ضلع بدر کیا جائے۔ تاکہ سوات جو پرامن اور خدا شناس لوگوں کا مسکن ہے انتشار اور بدامنی سے محفوظ رہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر سید عبدالودود۔ (لاہور)

اسلامی نظام

ایک سوال۔۔ عوام اور Intelligentia پاکستان کے بہت سے لوگ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کی طرف راغب نظر آتے ہیں۔ کیا ملک کے موجودہ سیاسی' اقتصادی اور عدلیہ کے حالات کے پیش نظر اسلامی نظام کا قیام ممکن بھی ہے؟

جواب۔۔ پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ پاکستانی لیڈروں کا نقطہ نظر کیا ہے؟ آیا وہ اسلامی نظام کی سمجھ بوجھ بھی رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر رکھتے ہیں تو اسکی نوعیت کیا ہے؟

میر خلیل الرحمٰن سوسائٹی کے زیر اہتمام مورخہ 25 جولائی 98 کو ایک مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی تھی جس میں پاکستان کے سرکردہ رہنماؤں نے حصہ لیا تھا۔ اس مجلس میں جماعت اسلامی کے سربراہ موجود نہیں تھے۔ البتہ میاں طفیل محمد صاحب سابق امیر جماعت اسلامی کا ایک انٹرویو روزنامہ جنگ کے میگزین سیکشن مورخہ 26 جولائی میں شائع ہوا ہے جس میں میاں صاحب نے اظہار خیال فرماتے ہوئے کہا ہے کہ جماعت اسلامی کے موجودہ امیر قاضی حسین احمد صاحب غلط سمت میں جا رہے ہیں۔ ان کی ساری تگ و دو صرف اسلام آباد کو فتح کرنے کے لئے ہے جس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جہاں تک اسلامی نظام کے قیام کا تعلق ہے میاں صاحب نے فرمایا کہ پاکستانی لیڈروں میں صرف نواز شریف واحد شخص ہیں جو اسے قائم کر سکتے ہیں۔ ان کے سوا کوئی دوسرا لیڈر کامیاب نہیں ہو سکتا اور وہ بھی اس صورت میں کہ وہ جماعت اسلامی کے ساتھ مل کر کام کریں اور اس سے نظریاتی ہدایات لیں۔ دوسرے الفاظ میں نظام مملکت کی گاڑی کا سٹیرنگ جماعت اسلامی کے ہاتھ میں ہو گا اور میاں نواز شریف کو بطور تبرک فرنٹ سیٹ پر بٹھا دیا جائیگا اور اس سے ہو گا یہ کہ سرمایہ اکٹھا کرنے اور املاک بنانے کی راہ میں سرمایہ داروں پر کوئی پابندی نہیں رہے گی کیونکہ جماعت اسلامی کے امیر سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مطابق اسلام میں کسی نوع کی جائز ملکیتوں کے تعداد یا مقدار کے لحاظ سے پابندی لگانے کی گنجائش سرے سے ہے ہی نہیں۔

روزنامہ "آواز" مورخہ 5 اگست 1998ء میں ایک اور دلچسپ خبر سامنے آئی ہے۔ میاں طفیل صاحب فرماتے ہیں کہ قاضی حسین احمد صاحب کا میاں نواز شریف کے رائے ونڈ فارم کے پاس جلسے کا مقصد غنڈہ گردی ہے اور یہ کہ قاضی صاحب الیکشن کے ذریعے کامیاب نہیں ہو سکتے۔ البتہ ان کے ذہن میں مارشل لاء کے ذریعے حکومت پر قبضہ کرنا ہے کیونکہ جہاد افغانستان کے وقت سے ان کے چند ایجنسیوں اور فوجی افسروں کے ساتھ گہرے تعلقات ہیں۔ (گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے)۔

25 جولائی 98ء کی مجلس مذاکرہ کے صدر ڈاکٹر سید نسیم حسن شاہ سابق چیف جسٹس پاکستان تھے۔ اب ان کے نظریات ملاحظہ فرمائیں:

روزنامہ Nation مورخہ 6 ستمبر 1996ء میں ڈاکٹر صاحب کا ایک لیکچر شائع ہوا تھا جو کہ امریکہ میں دیا گیا تھا۔ اس میں موصوف نے یہ بتایا تھا کہ

Common Law اور اسلامی شریعت میں کیا فرق ہے۔ ڈاکٹر نسیم حسن شاہ Modern Concept of Nation اور اسلامی نظریات کے باہمی گٹھ جوڑ کے حامی ہیں۔ وہ پاکستان کی موجودہ Constitution کو قرآن پر ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر Constitution کی کسی شق کے خلاف قرآنی آیت ہو تو Constitution کو قرآن پر ترجیح دی جائے گی۔ ہمارے یہ قانون دان Delegation کے فرسودہ نظریہ کو Constitution کے Preamble میں شامل کر کے "حق حکومت" انسانوں کے ہاتھ میں دے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ قرآن ببانگ دہل اعلان کر چکا ہے۔

ان الحکم الا للّٰہ ... ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ (12:40)

"اقتدارات اور اختیارات کا واحد مالک اللہ ہے۔ اس کے سوا حکومت کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ اس کا فرمان یہ ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی محکومیت اور اطاعت اختیار نہ کی جائے۔ یہ ہے زندگی کا محکم اور استوار نقشہ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے"۔

ہمارے قانون دان اللہ کی Sovereignty اقتدار اعلیٰ کو People's Sovereignty عوام کے اقتدار اعلیٰ میں تبدیل کر چکے ہیں۔ جو کچھ میں نے کہا ہے اگر آپ اس کی تفصیل معلوم کرنا چاہیں تو روزنامہ Nation' 24 جنوری 1997ء کے میگزین سیکشن کے صفحہ 8 اور 9 پر ملاحظہ فرمائیں۔

ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے میری طرف سے اٹھائے گئے سوالات کا کوئی جواب نہیں دیا حالانکہ میں نے ان کو اپنی دیگر کتابیں بھی بھیجی تھیں۔ کیوں جواب نہ دیا اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس رہ چکے ہیں اس لیے میرے جیسے عام آدمی کو جواب دینا ان کے منصب کے مطابق نہیں تھا۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کے پاس میری تحریر کا جواب کوئی نہیں تھا۔

ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے 25 جولائی 98ء کی مجلس مذاکرہ میں فرمایا کہ انہوں نے اپنے زمانہ ملازمت میں علماء کو لکھ کر بھیجا تھا کہ "سودی نظام کا بدل کیا ہے؟" لیکن دو علماء کے سوا کسی نے جواب نہیں دیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان علماء کا جواب کیا تھا۔ بہرحال رزق کے سلسلہ میں وہ پیچیدگیاں جن کا حل انسانوں کے وضع کردہ نظاموں میں کوئی نظام نہیں کر سکا اس کا حل صرف قرآن نے بتایا ہے اور وہ حل یہ ہے کہ "ضروریات زندگی کا پورا کرنا افراد کی ذمہ داری نہیں یہ نظام مملکت کی ذمہ داری ہے۔ افراد کے ذمے اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق اس کام کا سرانجام دینا ہے جو ان کے سپرد کیا جائے۔ ان کی اور ان کے اہل و عیال کی ضروریات زندگی پورا کرنا مملکت کا کام ہے"۔

از روئے قرآن افراد اور مملکت کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے۔

ان اللّٰہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ (9:111)

اس معاہدہ کی رو سے ہر مومن اپنی جان اور اپنا مال (کمائی) اللہ کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور اس کے عوض اللہ اسے جنت کی زندگی عطا کر دیتا ہے۔ اس دنیا میں جنت کی زندگی نظام خداوندی کی وساطت سے ملتی ہے اور آخرت میں یہ براہ راست اللہ کی طرف سے ملے گی۔

مرکز اور عوام کے درمیان اس معاہدے کا عملی حل کیا ہے' اس کا حل ہے۔ **قل العفو یسئلون ماذا ینفقون** "اے رسول! یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم اپنی کمائی میں سے کس قدر دوسروں کی

ضروریات پوری کرنے کے لئے دے دیں"۔ **قل العفو** (2:219) "ان سے کہہ دو کہ جس قدر تمہاری اپنی ضروریات زندگی سے زائد ہے"۔

ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے متعلق جو کچھ دیا جائے ان سے کہہ دیا جائے کہ **لا نرید منکم جزآء ولا شکورا** (76:9) "ہم تم سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتے۔ معاوضہ تو ایک طرف ہم اس کے لیے شکریہ تک کے بھی متمنی نہیں"۔ .... **تثبیتا" من انفسھم** .... (2:265) "یہ تو ہماری اپنی ذات کی نشوونما کے لیے ہے"۔

اب سوچئے کہ قرآنی نظام مملکت میں سودی اور غیر سودی بینکنگ کی خرافات باقی کہاں رہ جاتی ہے؟ جبکہ ہر فرد کا مال و جان بک چکے ہوتے ہیں۔

اب اس کے علاوہ مورخہ 25 جولائی 98ء کی مجلس مذاکرہ کے دیگر مقررین کی آراء ملاحظہ فرمایئے:

شیخ الفاضل عبدالستار خاں نیازی' صدر جمیعت علمائے پاکستان میرے دیرینہ دوست ہیں اور قابل احترام شخصیت ہیں۔ آواز گرج دار ہے لیکن عقل و فکر سے کم اور جوش و جذبہ سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ نواز شریف اسلامی شریعت کے مطابق نظام قائم کریں ورنہ ہم ان کے خلاف تحریک چلائیں گے۔ محترم نیازی صاحب اس چیلنج کو مدت مدید سے دہراتے چلے جا رہے ہیں لیکن آپ نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ کون سی شریعت اور کس فرقے کی شریعت کا وہ نفاذ چاہتے ہیں۔ کیا اہالیان پاکستان نے کوئی متفقہ شریعت آج تک پیش کی ہے؟ پھر سود کے نظام کے خلاف بھی انہوں نے چیلنج کیا لیکن متبادل نظام کا کوئی نقشہ پیش نہ کیا۔

پھر ہمارے ریٹائرڈ جرنیل صاحبان سامنے آتے ہیں۔ جنرل حمید گل (ر) بڑے زیرک انسان ہیں۔ روزنامہ جنگ میں ان کے مضامین ہمیشہ قابل توجہ ہوتے ہیں۔ وہ مسائل کا تجزیہ بڑی ہوش مندی سے کرتے ہیں لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسلامیات کے متعلق ان کی معلومات ایسی نہیں جن کی بنا پر وہ اسلامی نظام کا کوئی نقشہ پیش کر کے اسے عملی شکل دے سکیں۔ اس کا اندازہ مجھے ان کی مندرجہ ذیل تحریر سے ہوا جو روزنامہ جنگ مورخہ 12 اکتوبر 97ء میں شائع ہوئی تھی۔ جس میں یہ الفاظ درج تھے "ہم اس مقدس مقام پر یہود کا قبضہ کیسے تسلیم کر لیں جہاں حضور نبی اکرمؐ نے انبیائے کرام کی امامت فرمائی۔ ہمارے دین کے اہم ترین افتخار یعنی معراج کا سفر اسی مقام سے شروع ہوا۔ ہمارے عقیدے کے مطابق یہیں سے مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو گا"۔

معراج اور مہدی کے نظریہ کی تفصیل میں نے جرنیل صاحب کو لکھ کر بھیجی تھی لیکن جواب ندارد۔ 25 جولائی کی مجلس مذاکرہ میں آپ نے درست فرمایا تھا کہ "اتفاق رائے کا فارمولا ناکام ہو گیا ہے۔ اب غلبہ اسلام کا ہو گا"۔ لیکن اس کی وضاحت نہیں فرمائی۔

اب آیئے ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کی طرف۔ آپ اسلامی تحریک کے سربراہ ہیں اور لیڈران عظام کو جمع کر کے ایک سیاسی پارٹی کی صدارت اختیار کر چکے ہیں۔ جس کا نام "عوامی اتحاد" ہے۔ وہ اسلامی نظام کے قیام کے زبردست حامی ہیں۔ ان کے اسلامی نظریات کی ایک جھلک ملاحظہ فرمایئے۔ جناب علامہ صاحب تفسیر کی آڑ میں روایات گھڑنے کے فن پر دسترس رکھتے ہیں۔ آپ منہاج القرآن شمارہ ستمبر 98ء صفحہ 9' عنوان اسوہ حسنہ کے تحت فرماتے ہیں کہ "حضورؐ کا بول و براز (پیشاب و فضلہ) نہ صرف پاک صاف تھا بلکہ صحابہ اسے تبرک کے طور پر استعمال کرتے تھے اور حضورؐ ان کو صحت کی بشارت دیتے تھے"۔ علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کی اس ضمن میں متعدد روایات موجود ہیں جن کا ذکر ضروری نہیں۔ صرف عوام الناس کی توجہ اس نکتہ کی طرف دلانا ضروری ہے کہ یہ

ہیں علامہ صاحب جو پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے زبردست حامی ہیں اور ان کا وضع کردہ اسلامی نظام جب سامنے آئے گا تو کیا گل کھلائے گا؟

کرکٹ کیپٹن عمران خان بھی آج کل پاکستان کے چودھریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان کا حالات حاضرہ پر تبصرہ بغیر لگی لپٹی کے ہوتا ہے۔ وہ بات کھل کر کرتے ہیں۔ لیکن اسلامی نظام یورپ کی یونیورسٹیوں میں تو تیار نہیں ہوتا اس کے لئے قرآن کا علم ضروری ہے۔

اب آیئے ہر فن مولا محترم ارشاد احمد حقانی صاحب کی طرف۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ جب میاں نواز شریف نے اسلامی نظام کا نعرہ لگایا تھا تو حقانی صاحب چونک اٹھے تھے۔ شائد اس لئے کہ میاں نواز شریف کو اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ اسلامی نظام قائم کر سکیں گے یا شائد اس لیے کہ ملک کے موجودہ حالات کے اندر اسلامی نظام کا قیام ممکن نہیں سمجھتے یا شائد وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یورپ کے نظام ہائے مملکت سے مدد لیے بغیر اسلامی نظام کا قیام ممکن نہیں۔ انہوں نے ابھی ابھی اپنے ایک آرٹیکل میں فرمایا ہے کہ یورپ کے لوگ اسلام کے بعض اصولوں پر عمل کر کے اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ ہمیں ان کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ لیکن قرآن کو چھوڑ کر یورپ کی طرف رجوع کرنے کا کیا مطلب؟ 25 جولائی کی مجلس مذاکرہ میں البتہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ہمارے حکمران اپنے آپ کو عوام کا خادم سمجھیں اور خزانہ سے وظیفہ لیں۔ اس سے انہوں نے حضرت عمرؓ کے عہد کی خوشگوار یاد تازہ کر دی۔

میں نے پاکستانی لیڈروں کے خیالات اور اسلام کی طرف رجحانات مختصر الفاظ میں بیان کر دیئے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی سیاسی کشمکش عروج پر ہے۔ اب آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ حضرات اسلامی نظام کے قیام کو کس حد تک عملی شکل دے سکتے ہیں؟ ان اصحاب میں سے نہ تو کسی نے فرقہ بندی کی مصیبت کا حل پیش کیا نہ احادیث اور فقہ کے اختلافات کی طرف توجہ دی۔ جیسا کہ محترم ایس ایم ظفر نے کہا ہے کہ اسلام ڈنڈے کے زور پر تو رائج نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سب سے پہلے اسلامی نظام کا صحیح نقشہ پیش کرنا ضروری ہے۔ جس کا واحد منبع قرآن کریم ہے۔ **لا الہ الا اللہ** اور **ان الحکم الا للہ** قرآنی نظام مملکت کی بنیادی اینٹیں ہیں۔ جن پر اس کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے لا الہ الا اللہ کی بنیاد پر اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا اعلان ہو اور Delegation کی بنیاد پر جو عوام کے اقتدار کا ڈھونگ موجود ہے اسے یکسر ختم کیا جائے۔ پھر قرآن اور صرف قرآن کی بنیاد پر اسلامی نظام کا نقشہ سامنے لایا جائے۔ پھر اس پر اتفاق رائے ہو۔ پھر اس پر عمل کا طریق کار وضع کیا جائے۔ محترم جنرل حمید گل نے گذشتہ سال فرمایا تھا کہ اسلامی نظام کو عدلیہ کے ذریعے بروئے کار لایا جائے۔ جنرل صاحب کی یہ تجویز عمدہ تھی کیونکہ یہ عمل ہنگامی شور و شر سے بھی آزاد تھا اور قانون ساز اداروں کی interference سے بھی جن میں اب خود غرضی اور بدکاری کا عمل غالب ہے۔ بہرحال اب سب سے اہم کام قرآنی نظام مملکت کا صحیح نقشہ پیش کرنا ہے۔

جہاں تک ادارہ طلوع اسلام کا تعلق ہے۔ ہمارے دوست بے بہا علمی خزانہ کتابوں کے اندر چھپائے بیٹھے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام الناس کو اس سے مسلسل آگاہ کیا جائے۔ بڑی کتابوں کی طرف لوگ کم توجہ دیتے ہیں نہ ہی ان کے پاس انہیں پڑھنے کی فرصت ہوتی ہے۔ قرآنی نظام کا نقشہ ان کے سامنے بار بار پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ عام طور پر لوگ کسی تحریر یا تقریر کو ایک بار پڑھنے یا سننے کے بعد بھول جاتے ہیں۔ اس لئے تکرار کی ضرورت ہے۔

"Repitition is The Mother of Memory"

یہ درست ہے کہ طلوع اسلام کوئی سیاسی پارٹی نہیں لیکن کسی مجلس مذاکرہ میں حصہ لینا تو گناہ نہیں اور میرا ذاتی نظریہ ہے کہ اس کے بعد بھی کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔

Because frankly speaking, words have no meaning, unless they are put in form part of a general process to practice. Academic debates, no doubt awakening, but the sum total of all what is thought, said and enforced is directly aimed at its physical manifestation.

(جاری ہے)

یاد میں

(1) پاکستان کی سرحدوں پر بسنے والے ان بے گناہ، مظلوم، انسانوں کی، جنہیں بھارتی درندوں نے 6 ستمبر 1965ء کی صبح بغیر کسی قسم کی آگہی یا اعلان جنگ کے، اس وقت اپنی ہوس خون آشامی کا شکار بنایا جب وہ آرام سے اپنے گھروں میں سو رہے تھے، اور ستاروں کی آنکھوں کے علاوہ، اس خونی منظر کا دیکھنے والا بھی کوئی نہ تھا۔

(2) ان معصوم بچوں کی، جنہیں مرہٹہ "بلوانوں" اور "سکھ سورماؤں" نے اچھال اچھال کر اپنی سنگینوں کی نوکوں سے چھلنی کر دیا، اس جرم کی پاداش میں کہ انہوں مسلمانوں کے گھروں میں جنم کیوں لیا تھا۔

(3) ان عزت مآب دختران ملت کی، جنہیں یہ انسان نما بھیڑیئے، ان کے صحن خانہ سے ان نامعلوم ویرانوں کی طرف کشاں کشاں لے گئے، جہاں سے پھر ان کی آہ و فغاں تک کسی کو سنائی نہ دی۔

(4) اور --- یاد میں،

ان غیور و جسور جوانان ملت کی جو ان بے پناہ مظالم کا بدلہ لینے کے لئے، شمشیر بکف اور کفن بدوش میدان کارزار میں آنکلے۔ اور اپنی عدیم النظیر جرات و بسالت سے دنیا کو دکھا دیا کہ حق کی خاطر جان دینے والے کیا کچھ کر دکھایا کرتے ہیں۔

اور -- بھمب، جوڑیاں، سیالکوٹ، چونڈہ، واہگہ، برکی، ہڈیارہ، سلیمانکی، راجستھان کے میدانوں کے ان ذرات کی جو اپنی عالمتاب چمک دمک سے اس حقیقت کی شہادت دیتے ہیں کہ خون شہدا کی رنگینی کس طرح حنا بند عروس ملت ہوتی ہے۔

لاکھوں سلام و صلوٰت ہوں ان شہدائے امت اور مجاہدین ملت پر، جنہوں نے اپنی فقید المثال قربانیوں سے اس خطہ زمین کو دشمن کی دستبرد سے محفوظ رکھا۔ جسے اسلام کی تجربہ گاہ بننے کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔

سر خاک شہیدے برگہائے لالہ می پاشم
کہ خونش بانہال ملت ماسازگار آمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میاں حماد مرتضیٰ

سائنس کی بوالعجبیاں

پینسلین کے موجد سر الیگزینڈر فلیمنگ نے کہا تھا سائنسدانوں کی بلندی پر نگاہ دوڑائیں تو ایٹم کو پھاڑتے دکھائی دیتے ہیں اور ان کی بے بسی کو دیکھیں تو وہ سب ملکر آج تک معمولی زکام کا علاج نہیں معلوم کر پائے۔ ہمارا آج کا نوجوان سائنسدانوں سے کچھ زیادہ ہی متاثر نظر آتا ہے۔

کسی ڈاکٹر سے پوچھیں تو وہ فوراً کہے گا کہ جناب! آج سے سو سال قبل "طاعون" کی ہلکی سی وبا سے ہزاروں انسان مرجاتے تھے لیکن آج "ترقی" کی وجہ سے وہ بات نہیں۔ حالانکہ ترقی کے باوجود ہر دسواں آدمی کسی نہ کسی طور بیمار ہے۔ سو سال قبل ہزاروں انسان کسی وبا سے مرجاتے تھے۔ آج ہزاروں افراد بغیر بیماری کے لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ طب کی دنیا کی ترقی کا اندازہ لگائیں تو ڈاکٹر صاحبان ابھی تک یہ طے نہیں کر پائے کہ "چائے" کے اثرات کیا ہیں۔ کبھی چائے کو مضر قرار دیتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ چائے نوشوں کو ہارٹ اٹیک نہیں ہوتا۔ کسی انجینئر سے پوچھیں تو وہ کہے گا کہ سائنسی ترقی کی بدولت انسان نے دریاؤں پر بند باندھے۔ ڈیم تعمیر کئے' دیو ہیکل عمارتیں تعمیر کیں حالانکہ آفات ارضی و سماوی کے آگے انسان آج بھی اتنا ہی بے بس ہے جتنا کئی سو برس پہلے تھا۔ زلزلے کے دو جھٹکے یہ عمارتیں اور ڈیم زمین بوس کرنے کے لئے کافی ہیں اور زلزلے پر قابو پانا سائنس دانوں کے بس میں نہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ زلزلے کی آمد سے قبل پیشگوئی کر سکتے ہیں اور اس پیشین گوئی سے انسان اس علاقے سے نقل مکانی کر کے اپنی جان بچا سکتا ہے۔

سائنس دان تسلیم کرتے ہیں کہ زلزلہ کی آمد سے قبل پرندوں کو پتہ چل جاتا ہے اور وہ اپنے گھونسلوں سے باہر نکل کر پریشانی کے عالم میں اڑنے لگتے ہیں۔ کوے درختوں پر اکٹھے ہو کر ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جانوروں کی چھٹی حس ایسے مواقع پر جلد بیدار ہو جاتی ہے اور وہ آنے والے خطرے کی بو بہت پہلے سونگھ لیتے ہیں۔

اگست 1976ء میں سی چوان (چین) میں زلزلہ آنے سے قبل سانپ اس علاقے سے دوسرے مقامات پر چلے گئے۔ جولائی 1976ء میں تانگ شان (چین) میں بھی ایسا ہی ہوا۔ زلزلہ آنے سے بہت پہلے رینگنے والے جانور 40 کلو میٹر دور ایک گڑھے میں اکٹھے ہو گئے۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ زمین کے اندر رہنے والے جانوروں کو زمین میں کسی تبدیلی کا علم پہلے ہو جاتا ہے۔ کتے شہروں سے نکل کر جنگلوں کی طرف بھاگ جاتے ہیں۔ بلیاں نقل مکانی کر کے وہاں سے چلی جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی چھٹی حس انہیں آنے والے خطرے سے آگاہ کر دیتی ہے۔

ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیں:-

یکم نومبر 1755ء کو پرتگال کے شہر لزبن میں ایک

شدید زلزلہ آیا۔ جس میں چالیس منٹ کے وقفے سے دو قیامت خیز جھٹکے محسوس کئے گئے۔ پہلے جھٹکے میں سات منٹ تک مسلسل زمین لرزتی رہی اور پورا شہر آن واحد میں زمین بوس ہو گیا۔ دریائے ٹیگس کا بند ٹوٹ گیا اور پانی کے ایک ہی ریلے سے پورا شہر غرق ہو گیا۔ پھر شہر میں ایسی آگ لگی جو 6 دن تک بھڑکتی رہی۔ افریقہ اور یورپ کا دس لاکھ مربع میل کا علاقہ تہہ و بالا ہو گیا۔

اتنی ہی شدت کا ایک زلزلہ یکم ستمبر 1923ء کو یوکوہاما (جاپان) میں آیا۔ اس میں یوکوہاما کا پورا علاقہ چند ہولناک جھٹکوں کے بعد کھنڈروں میں تبدیل ہو گیا۔ اس زلزلے کا مرکز سیگامی خلیج میں واقع تھا۔ جہاں سمندر کی تہہ ایک سو میٹر تک اوپر اٹھ آئی۔ پندرہ جگہ زمین شق ہو گئی۔ جن میں سب سے بڑا شگاف 13 میل طویل تھا۔ نصف ٹوکیو بھی تباہی کا شکار ہوا۔

جون 1960ء میں وسطی چلی میں ایک شدید زلزلہ آیا۔ لاوا پھوٹ بہنے اور بڑے بڑے بھاری پتھر لڑھکنے سے تقریباً 50 ہزار انسان موت کا شکار ہو گئے۔

دسمبر 1811ء میں امریکہ میں نیو میڈرڈ کے مقام پر ایک شدید زلزلہ آیا۔ جس میں 150 میل لمبا اور چالیس میل چوڑا علاقہ 3 سے 9 فٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ جگہ جگہ سے زمین پھٹ گئی' اندرونی ریت اور گندھک کے بخارات خارج ہونے لگے اور شگافوں میں دریائے مسوری کا پانی غرق ہوتا رہا۔ اس زلزلے سے ٹینیسی میں ریل فٹ کی جھیل وجود میں آگئی۔ پاکستان میں 1935ء اور 1955ء میں آنے والے زلزلوں نے کوئٹہ شہر تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔

(بحوالہ : اردو ڈائجسٹ' شمارہ' جنوری 84ء' تحریر رؤف نظامی)

سائنسی ترقی!

اس دور میں مصنوعی سیاروں کے ذریعے زلزلوں کی پیش گوئی پر تحقیق ہو رہی ہے۔ سائنس دانوں کے خیال کے مطابق مصنوعی سیاروں کے ذریعے کئی گھنٹے قبل زلزلے کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ یہ کون سے کمال کی بات ہے یہ کام تو اس علاقے میں پالتو جانور مثلاً کتا' بلی' گائے' بھینس بھی کر لیتے۔

ارشاد اللہ تعالیٰ ہے :

"کتنی ہی خطا کار بستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ کیا ہے اور آج وہ اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہیں۔ کتنے ہی کنویں بیکار اور کتنے ہی قصر کھنڈر بنے ہوئے ہیں"۔ (سورۃ الحج)

قرآن کے مطابق جب کوئی قوم "قوانین خداوندی" سے تجاوز کر جاتی ہے تو قانون مکافات عمل کے مطابق ان کے نتائج ان کے سامنے آنے شروع ہو جاتے ہیں جن کو کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ اسی طرح جو قوم اس کے قوانین کے مطابق زندگی گزارتی ہے اسے نہ دنیا کی کوئی قوم زیر کر سکتی ہے نہ ارضی و سماوی آفات اس قوم کے نزدیک جاتی ہیں۔

جس طرح سطح زمین پر زلزلے آنے سے تباہی ہوتی ہے بالکل اسی طرح زیر آب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ ایک اندازے کے مطابق بحر الکاہل میں ہر سال تقریباً 130 کے قریب طوفان آتے ہیں اور "سونامی" طوفان ہلاکت خیزی میں سب سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ یہ زیر آب زلزلے سے اٹھتا ہے۔ 1883ء میں انڈونیشیاء کا جزیرہ کراکاٹوا اسی قسم کے آتش فشانی دھماکے سے ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ اس کا دھماکہ کئی ہائیڈروجن بموں سے بھی کہیں زیادہ تھا جس کے نتیجے میں سو سو فٹ بلند لہریں اٹھیں جو ہزاروں میل دور مختلف جزیروں کے باشندوں کو بہا لے گئیں۔ گرد و غبار کے گہرے بادلوں نے قریب قریب پورے کرہ ارض کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ایک اندازے کے مطابق اس

طوفان میں تقریباً 30 ہزار انسان ہلاک ہوئے۔ جس طرح انسان اس سلسلے میں بالکل بے بس نظر آتا ہے۔ پانی' ہوا کے آگے بھی کچھ اسی قسم کی صورت حال دیکھنے میں آتی ہے۔

1946ء کے موسم گرما میں جزیرہ ہوائی اسی قسم کے طوفانوں کی زد میں آیا جس میں 185 آدمی ہلاک ہوئے اور اڑھائی کروڑ ڈالر کی املاک تباہ ہو گئیں۔ ساحل کے ساتھ واقع سپر مارکیٹ پانی میں بہہ گئی اور بیسیوں کاریں لہروں کے ساتھ لڑھکتی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر چکنا چور ہو گئیں۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ایک تباہ کن بحری جہاز دیو قامت موجوں میں پھنس گیا۔ ایک موج نے اسے تنکے کی طرح اچھالا اور پھر اس انداز میں سمٹی کہ جہاز ہوا میں معلق ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ بہت سے ملاحوں نے ہزاروں ٹن وزنی اس جہاز کو دو ٹکڑے ہو کر پانی میں گرتے دیکھا۔ (بحوالہ ماہنامہ "فطرت" شمارہ جون' جولائی 85ء۔ تحریر احمد اشفاق) سائنس دان ان آفات کو روکنے کے لئے کچھ بھی تو نہیں کر پائے۔

سائنس کا سب سے بڑا کارنامہ؟

دور حاضر میں سائنس کی سب سے بڑی ایجاد کمپیوٹر ہے۔ اب قارئین اس جدید ترین مشین کا جائزہ لیں۔ ایک عرصہ قبل سائنس دانوں کے علم میں یہ بات آئی کہ یہ ذہین ترین مشین بھی غلطی کر سکتی ہے۔ جس واقعہ سے سائنس دانوں کے دماغ ہل گئے وہ کچھ اس طرح ہے۔ رات کا وقت تھا اور سولہ سترہ برس کے ایک لڑکے کی خوابگاہ۔ وہ گھنٹوں مختلف ٹیلی فون نمبر ڈائل کرتا ہے پھر ایک تیز آواز اسے بتاتی ہے کہ دور کسی کمپیوٹر کے خودکار آلے سے اس کا رابطہ قائم ہو گیا۔ میز پر رکھا ہوا اس کا اپنا کمپیوٹر ٹیلی فون لائن سے مربوط ہے۔ لڑکا اس کے ویڈیو مانیٹر پر نظریں جما کر "کی بورڈ" پر حروف' اعداد اور علامتوں کے بٹن دباتا ہے۔ پہلے نتائج تسلی بخش نہیں' لیکن بار بار آزمانے سے حیرت انگیز واقعہ پیش آتا ہے۔

ایک ہزار میل دور پہرہ لگی عمارت کے اندر ایک کمپیوٹر سسٹم' مہم جو لڑکے کے سوالوں کا جواب دینے لگتا ہے۔ چند سیکنڈ کے اندر معلومات سیلاب کی طرح ابلنے لگتی ہیں۔ رقبے میں انگلستان جتنی وادی ٹینیسی کے 20 ڈیم باری باری سامنے آتے چلے جاتے ہیں۔ پانی آبی دروں سے دہاڑتے ہوئے نکلتا اور نہروں میں بہنے لگتا ہے۔ کھیت' فصلیں' سڑکیں' قصبے اور کارخانے آنکھوں کے سامنے عیاں ہو جاتے ہیں۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تب سائنس دانوں کو تشویش لاحق ہوئی کہ آخر یہ کیا ماجرہ ہے کہ کمپیوٹر بھی مخبری کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے سائنس دان سخت پریشان ہیں۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

نیو یارک شہر کے ایک بینک میں کسی ملازم نے کمپیوٹر کو آلہ کار بنا کر پندرہ لاکھ ڈالر اپنے اکاؤنٹ میں منتقل کر لئے اور چوری کا نشان تک باقی نہ چھوڑا۔

ایک انجینئرنگ سٹوڈنٹ نے کمپیوٹر سے کام کرنے والے نظام رسد تک رسائی پانے کا راز معلوم کر لیا۔ یوں اس نے دس لاکھ ڈالر کا سازوسامان چرا کر بیچ دیا۔

ایک آدمی نے بینک کاؤنٹر پر دستیاب خالی ڈیپازٹ سلپوں کی جگہ اپنی مقناطیسی کوڈ نمبروں کی سلپس کمپیوٹر کے سپرد کر کے اسے دھوکا دیا اور کسی اور کھاتے دار کا اندوختہ اپنے حساب میں جمع کروا لیا۔

ایک سرکاری ادارے کا کمپیوٹر عارضی طور پر جامد ہو گیا اور پھر خود بخود کام کرنے لگا۔ لیکن وہ اپنی اس ہنگامی فروگزاشت پر اس قدر چکرا گیا تھا کہ اس نے انتہائی خفیہ فائلیں غیر متعلقہ افراد کو دیکھنے کے لیے دے دیں۔ (بحوالہ اردو ڈائجسٹ' شمارہ جنوری 84ء' تحریر مختار احمد)

کمپیوٹر جب غلطی کرتا ہے تو پھر وہ کوئی بات ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا۔ اگر تو کوئی انسان ہو تو انسان اسے سمجھانے کی کوشش کرے' اس سے احتجاج کرے' اسے کوئی دلیل دے مگر مشین کے آگے رونے سے کچھ حاصل نہیں۔ اسی وجہ سے امریکہ میں وکلا صاحبان کا ایک علیحدہ طبقہ ہے جو صرف کمپیوٹر سے متعلقہ مقدمات کی پیروی کرتے ہیں یعنی ان کی پریکٹس ہی صرف کمپیوٹر سے متعلق مقدمات کی ہے۔

امریکہ میں اوہائیو کے ایک متمول تاجر کو 6 ماہ کے لئے بیرون ملک جانا تھا۔ اس نے بجلی کے واجبات ادا کرنے کے بعد کمپنی کو اطلاع دی کہ اس کے استعمال میں بجلی کا میٹر بند کر دیا جائے۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے بجلی دوبارہ چالو کروائی تو اسے کمپیوٹر کا جاری کردہ نوٹس موصول ہوا کہ آپ کے ذمے صفر ڈالر صفر سینٹ کی رقم واجب الادا ہے اگر فلاں تاریخ تک رقم مذکورہ کی ادائیگی نہ ہوئی تو بجلی کاٹ دی جائے گی۔ بے چارہ سخت پریشان تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ بالآخر اسے وکیل سے مشورہ کرنا پڑا۔ جس نے فیس وصول کر کے یہ ترکیب بھائی کہ کمپنی کے نام صفر ڈالر صفر سینٹ کا چیک روانہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اس کی وصولی پر کمپیوٹر صاحب نے شکریہ ادا کرنے کے بعد لکھا کہ بقایا وصول ہو گیا۔ اب آپ کی بجلی منقطع نہیں ہو گی۔

انگریز لیڈی کو لینے کے بجائے دینے پڑ گئے۔۔۔۔

اپنے ہموطنوں سے ہمدردی

"یہ ان دنوں کی بات ہے جب قائداعظمؒ برطانیہ میں وکالت کرتے تھے۔ ایک روز ایک ہندوستانی آپ کے پاس آیا۔ اس نے اپنا قصہ بیان کیا کہ ایک روز وہ لندن میں کار چلا رہا تھا۔ بارش ہو کر ہٹی تھی۔ جگہ جگہ سڑکوں پر پانی کھڑا تھا کہ تیزی سے چلتی ہوئی کار سے پانی کی پھیٹیں اڑ کر فٹ پاتھ پر جانے والی ایک میم پر پڑیں اور اس کی ساڑھی خراب ہو گئی۔ میم نے عدالت میں ہرجانہ کا دعویٰ کر دیا ہے یعنی 500 پاؤنڈ کا جو کہ ساڑھی کی پوری قیمت کے برابر ہے۔ اس نے کہا کہ میں وکالت کی فیس بھی نہیں دے سکتا اور نہ ہی ہرجانہ دے سکتا ہوں۔ قائداعظمؒ نے فرمایا "گھبراؤ نہیں۔ تم مقررہ تاریخ پر عدالت میں حاضر ہو جانا' میں تم سے فیس نہیں لوں گا اور ہرجانہ کی قیمت بھی خود ہی ادا کروں گا"۔ مقررہ تاریخ پر مدعی اور مدعالیہ عدالت میں حاضر ہوئے۔ قائداعظمؒ نے عدالت میں لیڈی سے سوال کیا آپ نے کتنے ہرجانے کا دعویٰ کیا ہے؟ اس نے کہا 500 پاؤنڈ کا۔ آپ نے پوچھا آپ کی ساڑھی کتنے کی تھی اس نے کہا 500 پاؤنڈ کی۔ قائداعظمؒ نے اسی وقت 500 پاؤنڈ جیب سے نکالے اور جج کی میز پر رکھ دیے۔ جج نے لیڈی کو دے دیے۔ جب لیڈی کمرہ عدالت سے باہر جانے لگی تو قائداعظمؒ نے کہا رک جاؤ اور یہ ساڑھی اتار کر مجھے دے دو کیونکہ تم نے ساڑھی کی پوری قیمت وصول کر لی ہے۔ جج نے بھی سوچ کر کہا ہاں بات تو ٹھیک ہے۔ اب لیڈی صاحبہ کی توہین ہوتی تھی کہ وہ کمرہ عدالت میں ساڑھی اتار دے۔ قائداعظمؒ نے اسی بات پر زور دیا کہ وہ وہیں عدالت میں ہی ساڑھی لیں گے۔ "سودا نقد منتدی دا"۔ لیڈی پریشان ہو گئی۔ آخر کار اس نے 500 پاؤنڈ بمع خرچہ واپس کر کے جان چھڑائی۔ تو لیڈی کو لینے کے دینے پڑ گئے"۔

(ایک بوڑھے فوجی کی زبانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبدالقادر حسن

خودکشی - عوامی خود انحصاری

لاہور میں محکمہ انسداد رشوت ستانی کے ایک ایماندار سپاہی نے غربت سے نڈھال ہو کر خودکشی کر لی۔ اس نے خودکشی سے پہلے ایک رقعہ لکھا اور بتایا کہ موجودہ سسٹم اور اتنی تھوڑی تنخواہ میں زندہ رہنا ممکن نہیں۔ نہ تنخواہ بڑھنے کا کوئی امکان ہے اور نہ حالات کے بدلنے کی کوئی امید۔ میری ہمت جواب دے چکی ہے اس لئے میں اپنے بچوں کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔

جب یہ ایماندار پاکستانی دل محمد اپنے بال بچوں کو آخری بار دیکھ رہا تھا' جب وہ مرنے سے پہلے چند سطریں لکھ رہا تھا' جب وہ حالات کا ماتم کر رہا تھا اور مایوسی کی انتہا کو پہنچ رہا تھا تو اس وقت میں لاہور میں جمخانہ کلب میں پر تکلیف کھانا کھا رہا تھا یا کھانے کیلئے ڈائنگ ہال میں جانے کا ارادہ کر رہا تھا یا اپنے دوستوں سے گپ لڑا رہا تھا اور دنیا جہاں سے بے فکر ہو کر وقت گزار رہا تھا۔ اس وقت میں جو کچھ بھی کر رہا تھا اس میں تنگ دستی نہیں تھی' مایوسی نہیں تھی اور حالات کا ماتم نہیں تھا۔ پریشانی کی پرچھائیں تک نہیں تھی۔ خودکشی تو بڑی بات ہے طبیعت میں ذرا سا ملال بھی نہیں تھا کہ میں اسے دور کرنے کیلئے کچھ سوچ بھی سکتا۔ مگر اسی وقت ایک اور پاکستانی میری آپ کی یا نہ جانے کس کی بے حسی کی وجہ سے یہ دنیا چھوڑنے کا سوچ رہا تھا یا چھوڑ چکا تھا۔ میں ایک بہتر معاشی حالت میں زندہ رہنے والا پاکستانی اپنے آپ کو ملامت کرتا ہوں۔ ملامت تو بڑا نرم لفظ ہے میں اپنے آپ سے نفرت کرتا ہوں نفرت کا اعلان کرتا ہوں کیونکہ آدھی تو کیا اپنی روٹی کا چوتھا حصہ بھی اس دوسرے پاکستانی کو نہ دے سکا اور میری بے حسی اور بے رحمی کی وجہ سے اس نے اپنے آپ کو قتل کر دیا اپنی جان لے لی خودکشی کر لی اور مجھے قاتل بنا گیا۔

مجھے معلوم نہیں اس وقت اس کی جان و مال کے ذمہ دار وزیر اعلیٰ صاحب کیا کر رہے تھے۔ کسی اعلیٰ درجے کی کار پر سوار تھے' کسی آرام دہ کرسی پر بیٹھے حکمرانی کر رہے تھے' کسی ہیلی کاپٹر پر کہیں اڑے جا رہے تھے یا مرغن کھانوں والا ڈنر کر رہے تھے۔ کچھ بھی کر رہے تھے سپاہی دل محمد کو خودکشی سے نہیں روک رہے تھے' کوئی ایسا بندوبست نہیں کر رہے تھے کہ سرکار کا یہ دن رات کا ملازم خودکشی نہ کرتا۔ اگر میں ایک پاکستانی اس غریب اور نادار بھائی دل محمد کی موت کا ذمہ دار ہوں تو وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف اس کے مجھ سے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر کوئی ان سے اس بارے میں پوچھے جس کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا تو ان کے پاس ہمارے آپ کیلئے اس کے ہزار جواب ہونگے لیکن ایک دربار ایسا بھی ہے جس میں دفتر ضابطے بجٹ کی مجبوریاں اور کسی حکمران کی بے حسیاں قبول نہیں کی جاتیں اور ایک دربار ایسا ہے جہاں سے حکم ہوا تھا کہ کھانے سے پہلے پڑوسی کی خبر لے لو کہ اس کے ہاں کیا حال ہے اگر گھر

میں کچھ اچھا پکاؤ اور پڑوسی کو نہ دے سکو تو اس کھانے کی مہک پڑوسی تک نہ جانے دو۔ کوئی ایسی نمائش ہرگز نہ کرو جسے دیکھ کر پڑوسی کا دل للچائے اور وہ اسے حاصل نہ کر سکے۔

گزشتہ دنوں میں نے حکمرانوں کی مراعات کے بارے میں کچھ لکھا تو میرے کرمفرما سید ریاض الحسن گیلانی ایڈووکیٹ نے مجھے بہت ڈانٹ پلائی۔ انہوں نے کہا کہ میرا یہ خیال نہیں تھا کہ تم اس قدر جہالت کی بات کرو گے کیا تم نے قرآنی علوم کی تحصیل کے دوران یہ علم حاصل نہیں کیا تھا کہ مسلمانوں کے ہاں حکمرانوں کیلئے کوئی مراعات نہیں ہوتی۔ مراعات کا کوئی تصور تک نہیں ہے حکمرانوں کی تو صرف ذمہ داریاں ہوتی ہیں نہ کہ مراعات۔ اس لئے تو فرمایا گیا کہ جس نے کوئی عہدہ طلب کیا وہ ہم میں سے نہیں ہو گا کیونکہ سرکاری مناصب اور عہدوں کے طلب گار مراعات کے طالب ہوتے ہیں ذمہ داریاں اٹھانے والے نہیں ہوتے۔ اور شاہ صاحب کی اس بات کے بعد میں سوچتا ہوں کہ کوئی دل محمد کسی ذمہ دار حکمران کی حکومت میں خودکشی نہیں کرتا مراعاتی حکمرانوں کی حکومت میں خودکشی کرتا ہے۔ کیا ہم پچاس برسوں سے یہ نہیں دیکھ رہے کہ ہماری غربت اور افلاس کی اصل ذمہ دار یہی مراعات ہیں جو حکمرانوں نے حاصل کیں اور پھر ان کے ساتھیوں نے اور پھر ان افسروں نے جن کی دفتری کارروائیوں سے یہ مراعات جاری کی گئیں۔ اوپر سے اوپر تک مراعات اور نیچے سے نیچے تک خود کشیاں۔

دولت کی ظالمانہ تقسیم اور نامنصفانہ معاشی نظام کے اس کفر اور ظلم کو کسی بھی دھماکے اور کسی بھی ایجنڈے سے چھپایا نہیں جا سکتا۔ خود انحصاری کا نعرہ میری ناقص سمجھ سے بالاتر ہے ایک خود انحصاری میری ہے کہ اس فنڈ میں اپنی مرسڈیز کار دینے کے باوجود میں اپنی روزمرہ کی ضروریات پوری کر رہا ہوں اور ایک خود انحصاری خود کشی کرنے والے سپاہی دل محمد کی ہے جس نے اس فنڈ میں اپنی جان کا چندہ جمع کرا دیا ہے اور اپنے بھوکے بچوں کو بھی اس فنڈ میں جمع کرا کے اور اپنی پاکستانیت کا پرچم بلند کر کے اس میں ہمارا ضمیر لپیٹ دیا ہے۔ میرا ضمیر یہ کہتا ہے کہ دل محمد نے خود کشی نہیں کی بلکہ میں نے اسے قتل کیا ہے اور میں اس کا قاتل ہوں۔ اگر میں اس کا قاتل نہیں ہوں تو پھر اور کون ہے کیونکہ ایک قتل تو ہوا ہے اس لئے قاتل تلاش کرنا پڑے گا۔ بس اسی قاتل کی تلاش اور اس کو سزائے موت دینا ہمارے تمام مسائل کا حل اور خود انحصاری کا اصل راز ہے۔ اسی کتے کو کنویں سے نکالنا ہے۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ راولپنڈی' 20 جون 98ء)

بے لوث اور ایماندار وکیل

"مسٹر جناح کی بے لوثی و ایمانداری کا یہ حال تھا کہ وہ کبھی دولت کے لالچ میں مشتبہ قسم کے کیس نہیں لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مہاراجہ نے ان سے اپنا مقدمہ لڑنے کو کہا جس کی نوعیت ان کے خیال میں مشکوک تھی۔ مہاراجہ نے کئی لاکھ روپے فیس ادا کرنے کو کہا مگر جناح نے اس کو جواب دیا "وکیل ہوں' دلال نہیں ہوں"۔

(از تحریر ظفر اقبال نگینہ۔ روزنامہ "جنگ" 25 دسمبر 1988ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرزا افضل حسین مغل۔ (جہلم)

تخلیق آدم

ہماری دیو مالائی کہانیوں کی کتابوں میں جہاں اور بہت سارے افسانے درج ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ کائنات کی ہر شے پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو تخلیق آدم کا خیال آیا تو اس نے مٹی کا ایک بت بنایا اور اس میں روح پھونک دی۔ اسکی ایک پسلی نکال کر عورت بنا دی اور دونوں کا نکاح کر دیا۔ عورت ہر روز دو بچے جنتی (ایک نر اور ایک مادہ) حضرت آدم کو بھی نسل کشی کے علاوہ غالباً کوئی اور کام نہ تھا۔ ایک دن پیدا ہونے والی لڑکی کا دوسرے دن پیدا ہونے والے لڑکے سے نکاح کر دیا جاتا اور وہ بھی اسی کام پر لگ جاتے تا آنکہ اتنی بڑی نسل انسانی وجود میں آگئی۔ ہرچند کہ آج ہمیں یہ کہانی عجیب سی لگتی ہے لیکن اس دور کا انسان اس سے بڑھ کر اور سوچ بھی کیا سکتا تھا۔ افسوس تو ان لوگوں پر ہے جو قرآن کریم کے روشن واضح اور قابل فہم دلائل اور سائنسی اور مشاہداتی علم کے علی الرغم ان کہانیوں کو دہراتے چلے جا رہے ہیں۔

آپ الحمد سے لیکر والناس تک پورا قرآن چھان جایئے آپ کو یہ بت بنانیوالا تصور کہیں نہیں ملے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر نوع کی ابتدا مٹی سے کی ہے۔ مٹی میں جرثوموں نے جنم لیا جو مدت مدید کے بعد ارتقائی منازل طے کر کے اپنی موجودہ صورت میں آئے۔ ان جرثوموں میں سب سے موزوں و خوبصورت بننے والی مخلوق بشر ہے۔ (القرآن 15:28)۔

مشاہدات اس بات کی شہادت دیں گے کہ کائنات کی ہر شے جو زمین پر بستی ہے اس کی ابتدا زمین ہی سے ہوئی تھی۔ یہ دودھ دینے والے جانور، گوشت دینے والے جانور، سواری و بار برداری والے جانور کہاں سے آئے؟ یہ سب کے سب زمین ہی کی پیداوار ہیں۔ یہ سبزیاں یہ پھلوں والے درخت و بیلیں سب زمین ہی سے آئے ہیں۔ ثابت ہوا کہ نوع بشر کی تخلیق سے پہلے اس کے لئے اس کی ضروریات پیدا کی گئیں۔

اب ذرا ہر خطہ ارض کی زبانوں پر غور فرمائیں۔ ہر خطہ کی زبان دوسرے خطہ سے مختلف ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نوع بشر ہر خطہ میں پیدا ہوئی تھی۔ اگر پوری دنیا کے انسان ایک فرد کی اولاد ہوتے تو پوری دنیا کے انسانوں کی زبان ایک ہوتی۔ قرآن نے زبانوں اور رنگوں کے اختلاف کو اپنی نشانیاں بتایا ہے۔ (30:22) نقل مکانی سے زبان کی تبدیلی کا تصور تبھی ممکن ہے جب وہاں پہلے سے لوگ موجود ہوں ورنہ نقل مکانی سے زبان کی تبدیلی کا تصور ایک احمقانہ تصور ہے۔ فرض کیجئے باوا آدم رنگ کے کالے تھے۔ لازم ہے کہ مائی حوا، جو ان کے جسم کے کسی حصہ سے نکالی گئی، وہ بھی سیاہ رنگ کی ہو گی یا اگر وہ سفید رنگ کے تھے تو عورت جو ان کے جسم سے نکالی گئی وہ بھی سفید ہی ہو گی۔ اس لحاظ سے پوری دنیا کے انسانوں کا رنگ کالا یا سفید ہونا چاہئے تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا

نہیں ہے۔ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ نوع انسانی کسی واحد مرد یا عورت کی اولاد نہیں ہے بلکہ یہ زمین کے ہر خطہ میں بصورت ملن (جونک) پیدا ہوئی تھی جن میں نر بھی تھے اور مادہ بھی تھیں جو بعد میں الگ الگ جوڑے بنے اور پھر نطفہ کے ذریعے رحم مادر میں ارتقائی منازل طے کر کے پیدا ہوئے اور بنی آدم کہلائے۔ اللہ کے قانون کے مطابق ماں کے رحم میں وہ جرثومہ (علق) نر بھی بن جاتا تھا اور مادہ بھی جسے قرآن نے **وجعل منها زرمعجها** کہا ہے۔

اگر ایک لمحہ کے لئے بات درست مان لی جائے کہ حضرت آدم و حوا کو آسمان پر پیدا کیا گیا اور بغاوت کی وجہ سے اللہ نے دونوں کو زمین پر پٹخ دیا۔ حوا محترمہ جدہ میں گریں اور حضرت آدم (بے امت نبی) سراندیپ (سری لنکا) میں اور وہ دونوں پھر کسی طور اکٹھے ہو کر رہنے لگے اور ان کی اولاد پوری دنیا میں پھیل گئی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ براعظم امریکہ اور آسٹریلیا جو ابھی ابھی دریافت ہوئے ہیں ان پر اولاد آدم کیسے پہنچ گئی۔ یقیناً ان جگہوں پر بھی مخلوق خدا' اس کے اسی قانون تخلیق کے تحت پیدا ہوئی ہو گی۔

اولاد آدم کا کچھ حصہ سندھ' پنجاب' سرحد یا بلوچستان میں آباد ہے۔ یہ لوگ اسی زمین سے پیدا ہوئے یہاں کی آب و ہوا کے مطابق رنگ پائے اور اپنی اپنی زبان انہوں نے خود وضع کی ہو گی۔ دنیا میں اس وقت جتنے خطے ہیں' ملک ہیں اور ان ممالک کی جس قدر اکائیاں ہیں ان کی زبانیں مختلف ہیں بلکہ ان خطوں کے جانور بھی وہاں کی آب و ہوا کے مطابق دیگر خطوں سے مختلف ہیں گو کہلانے کو گھوڑے' گدھے' گائے' بیل' ہیں مگر ان کے نام بھی انہوں نے اپنی اپنی وضع کردہ زبان میں رکھ لئے ہیں۔

گرم ممالک کی پیدائش کا رنگ سانولا' گندمی اور سیاہی مائل ہے اور سرد علاقوں کی پیدائش گوری چٹی ہے برفانی علاقوں کی پیدائش سرخ و سفید ہے۔

ہم نے عملی طور پر انگریزوں کو برصغیر میں رہتے دیکھا ہے نہ ان کی نسل تبدیل ہوئی اور نہ رنگ بدلے۔ کئی صدیوں سے حبشی امریکہ' برطانیہ' فرانس' جرمنی میں بستے ہیں کسی ایک حبشی کی نسل تبدیل نہ ہوئی جب تک کوئی دوسری نسل میں ویلڈ نہ ہو گیا۔ یہ تمام شہادتیں اس امر کا ثبوت ہیں کہ نوع انسانی زمین سے جرثوموں کی شکل میں پیدا ہوئی اور ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی موجودہ صورت اختیار کر کے اسی زمین پر آباد ہوئی۔

اللہ نے قرآن مجید کی آیت 53:32, 71:18, 11:61 اور 20:55 میں رنگوں' نسلوں اور زبانوں کے فرق کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ حیوانات کے رنگ اور نسلیں آب و ہوا کے مطابق ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ تمام دلائل ثابت کرتے ہیں کہ نہ انسان ایک آدمی کی اولاد ہیں اور نہ ہی حیوانات۔

مفہوم آیات مجیدہ 20:55- ہم نے (اللہ) تم کو (تمام کو) اسی مٹی سے (زمین سے) پیدا کیا ہے اور اسی میں پھر لوٹا دیں گے اور پھر اسی سے دوبارہ (روز قیامت) نکال لیں گے۔

مفہوم آیات مجیدہ 71:18- اور اللہ نے تمہیں زمین سے نباتات کی طرح یعنی بیشمار جرثومہ ہائے حیات کی طرح پیدا کیا اور نشوونما بخشی وہ پھر تمہیں اسی میں لے جائیگا اور پھر اسی میں سے (قیامت کو) اٹھا لے گا۔

مفہوم آیات مجیدہ 53:32- اللہ تعالیٰ تمہیں اس وقت سے جانتا ہے جب تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس وقت کو بھی جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بصورت جنین پوشیدہ تھے۔

مفہوم آیات مجیدہ 11:61- اے میری قوم! تم صرف

اللہ کی عبادت کرو جس نے تمہیں زمین سے اٹھایا ہے اور اسی میں آباد کر دیا اور وہ قریب ہے جو دعائیں سننے والا ہے اور اسی سے بخشش طلب کرو۔

مفہوم آیات مجیدہ 30:22- میں (اللہ) نے اپنی ان نشانیوں کو بیان کر کے صرف اس بات کی دلیل فرمائی ہے کہ مختلف خطوں کی مخلوق اپنے مختلف آب و ہوا والے علاقوں ہی سے پیدا ہوئی ہے اور علاقائی آب و ہوا کے مطابق رنگ پائے ہیں اور چونکہ مختلف علاقوں میں الگ الگ پیدا ہوئے تھے اس لئے ان باشندوں کو اپنی الگ زبان وضع کرنا پڑی چنانچہ آیت مجیدہ 30:22 سے ماقبل 30:20 میں ذکر ہی اس ابتدائی مخلوق کا ہے جب وہ زمین یعنی مٹی میں سے پیدا ہوئی تھی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ومن ایتہ ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون (30:20)- مفہوم: یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی یعنی زمین میں سے پیدا کیا پھر وہ وقت قابل ذکر ہے جب تم (خوبصورت و موزوں حلیے والی مخلوق (بشر) ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد) چلنے پھرنے لگے۔

آیت مجیدہ 30:20 میں ثم کے استعمال سے مراد ایک وقفہ مقصود ہے اور عربی جاننے والے حضرات کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ ثم کا لفظ ترتیب و تراخی کے لئے آتا ہے۔ آج کا انسان بھی ابتدائی حالت میں جونک جیسا ہی ہے اور یہی واحد نفس (جرثومہ حیات اللہ کے مقدس قانون کے مطابق نر بھی بن جاتا ہے اور مادہ بھی یعنی یہ واحد جرثومہ حیات **وجلع منھا زوجھا** میں ڈھل جاتا ہے۔ اس کی ابتدائی شکل **علق** (جونک) جیسی ہی ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ 96:2 میں ہے۔ **خلق الانسان من علق** بے شک میں نے انسانوں کو جونک (جرثومہ) سے پیدا کیا ہے۔

اللہ کا کتنا واضح اعلان ہے کہ نطفہ جو مقاربت کے ذریعے رحم مادر میں محفوظ ہو جاتا ہے مذکر بھی بن جاتا ہے اور مونث بھی۔ اس کی ابتدائی شکل **علق** جیسی ہی ہے۔ اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو گی جبکہ اہل روایات بضد ہیں کہ آدمی کی ابتدا مٹی کے ایک بت سے کی گئی ہے اور عورت کو مرد میں سے نکالا گیا جو روزانہ دو بچے جنتی تھی۔ پھر جب وہ بچے جوان ہو گئے تو بقول اہل روایات بھائیوں نے اپنی سگی بہنوں کو اپنی زوجیت میں لے لیا اور اس طرح انسانوں کی ایک دنیا آباد ہو گئی۔ معاذ اللہ استغفراللہ۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ **ثم اذا انتم بشر** کے الفاظ آئے ہیں۔ ثم سے مراد ایک خاص وقفہ کا اظہار ہے یعنی پھر تم ایک مناسب مدت کے بعد (جو قرآن کے مطابق کم از کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ نو ماہ) موجودہ شکل میں آئے۔ جسے نوع بشر کہا گیا ہے۔ اب ہمیں بشر کا مفہوم معلوم کرنا ہے۔ حرفی مادہ ب۔ ش۔ ر بشر جس کا بنیادی معنی جلد کے ہیں اور جلد کا ایک حصہ ہے چہرہ یا حلیہ' جسے بشرہ بھی کہا جاتا ہے اس کے مصدری معنی جلد سے جلد کا ملنا یعنی مباشرت کرنا۔ بشارت لفظ بھی اسی سے مشتق ہے ہم جب بھی کوئی اچھی یا بری خبر سنتے ہیں تو چہرے پر اس کے اثرات آ جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس حلیے والی مخلوق کو بشر کہتے ہیں۔ جو زمین کے ہر خطہ پر پیدا ہوئی۔ جس میں مذکر بھی تھے اور مونث بھی۔ جن کے رنگ آب و ہوا کے مطابق ہیں اور انہوں نے خود اپنی الگ الگ زبان وضع کی ہے۔ ہر خطہ اس وقت ایک متعفن گارہ تھا۔ اور سب جانتے کہ گندگی کا جوہر جرثومہ حیات ہے۔ ان متذکرہ مشاہدات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ کوئی بت بنایا نہ اس بت سے اس کی زوجہ نکالی اور نہ ہی اس نے روزانہ دو بچوں کو جنم دیا اور نہ ہی کوئی پیغمبر باغی و گمراہ

ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ جنسی قوانین سے نابلد ہو سکتا ہے لہٰذا روایات کے تصورات و عقائد جن کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں ناقابل فہم ہیں۔

جب نوع بشر ازدواجی حیثیت کو پہنچی تو یہ الگ الگ جوڑے بنے اور مباشرت کے ذریعے ماؤں کے پیٹ سے جو مخلوق پیدا ہوئی اسے نوع بشر کہا گیا۔ جب نوع بشر نے تمدنی زندگی وحی کے ہموار قانون کے مطابق اختیار کی تو یہی نوع انسان کہلائی۔

قارئین محترم اللہ تعالیٰ کے قوانین نہ تبدیل ہو سکتے ہیں نہ ان میں کوئی ترمیم ممکن ہے اور نہ ہی ان میں سے کسی قانون کی تنسیخ کی گنجائش ہے۔ اس کے قوانین ازل سے ہیں اور تا ابد اسی طرح قائم و دائم رہیں گے۔ تخلیق کائنات پر جو تحقیق اب تک ہوئی ہے اس سے قرآن کریم میں آج کسی قانون پر نہ حرف آیا ہے نہ آسکتا ہے کیوں کہ یہ قانون اس علیم و خبیر کا عطا کردہ ہے جو خود خالق کائنات ہے۔

پیپلز کلیرنگ ایجنسی

کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ

کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

۲۵ سالہ تجربہ کار

کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے

ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔

ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی

فون: ۲۴۲۶۱۲۸ ۲۴۳۱۰۴۵-۲۴۳۷۵۳۷

فیکس نمبر:- ۲۴۱۹۷۸۲

ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

پاکستان میں

علامہ غلام احمد پرویزؒ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

شہر	مقام	دن	وقت
1- اسلام آباد	برمکان 302 سٹریٹ 57 - سیکٹر F11/4 رابطہ: جناب انعام الحق ملک صاحب فون: 290900	اتوار	8/ بجے صبح
2- ایبٹ آباد	234 کے۔ ایل کیمال۔ رابطہ: گل بہار صاحبہ	بروز منگل	4 بجے شام
3- ایبٹ آباد	234 کے۔ ایل کیمال۔ رابطہ: شیخ صلاح الدین	ہر روز	عندالطلب
4- اوکاڑہ	برمکان احمد علی 180-A شادمان کالونی رابطہ: شیخ احسان الحق فون: 520270/520258	جمعۃ المبارک	3 بجے شام
5- بوریوالا	برمکان محمد اسلم صابر۔ مرضی پورہ گلی نمبر 5 رابطہ: فون: 55438	پہلا اور تیسرا اتوار	10 بجے صبح
6- بوریوالا	کلینک ڈاکٹر نوید اسلام فون: 54590	دوسرا اور چوتھا جمعہ	ساڑھے 3 بجے
7- بوریوالا	رابطہ محمد اسلم صابر۔ فون 55438	یکم اکتوبر سے	روزانہ بعد نماز مغرب
8- بہاولپور	ریحان چپل سٹور مچھلی بازار رابطہ: بشیر احمد فون 876785	جمعۃ المبارک	2 بجے بعد دوپہر
9- پشاور	دفتر جناب عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ۔ کابلی بازار۔ رابطہ فون: 840945	ہر بدھ و جمعہ	5 بجے شام
10- پشاور	اکبر پورہ۔ محلہ گڑھی زرداد رابطہ: محترم لیاقت علی طاہر فون: 2970190	بروز ہفتہ	8 بجے شام
11- پشاور	برمکان ابن امین فقیر آباد	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
12- پیر محل	مکان نمبر 140/139- مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا اتوار	9 بجے صبح
13- پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	جمعۃ المبارک	3 بجے شام
14- جہلم	برمکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد' جی۔ ٹی روڈ	اتوار	9 بجے صبح
15- جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	10 بجے صبح
16- چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر حٹہ بازار	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
17- چک 215 ای۔ بی	شاہین پٹرولیم	اتوار	9 بجے صبح

شہر	مقام	دن	وقت
18- حیدر آباد	محترم ایاز حسین انصاری B-12 قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر رابطہ فون۔ 654906	جمعۃ المبارک	بعد نماز عصر
19- راولپنڈی	بمقام 4385/47-E اپر سٹوری ہائی وے آٹوز نزد پل لئی گوا لمنڈی راولپنڈی فون: 74752	جمعۃ المبارک	4.30 بجے شام
20- سرگودھا	60- اے سول لائنز' ریلوے روڈ۔ رابطہ فون: 720083	جمعہ	5 بجے شام
21- سرگودھا	4-B گلی نمبر7 بلاک 21 نزد مکی مسجد چاندنی چوک رابطہ: ملک محمد اقبال فون (711233)	منگل	7 بجے شام
22- فیصل آباد	23- سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) رابطہ: ڈاکٹر محمد حیات ملک۔ فون: 720096	ہر جمعۃ المبارک	3.30 بجے شام
23- کراچی	کراچی سی بریز' روم نمبر105 شارع فیصل رابطہ شفیق خالد۔ فون: 021-713575	اتوار جمعہ	9.30 بجے صبح 5 بجے شام
24- کراچی	ڈبل سٹوری نمبر16 گلشن مارکیٹ' 36/C اریا کورنگی 5 رابطہ محمد سرور' فون: 312631-5046409 درس کے علاوہ بھی لائبریری کھلی رہتی ہے۔	اتوار بروز جمعہ	11.30 بجے صبح بعد نماز مغرب
25- کراچی صدر	ہوٹل جبیس ہال۔ عبداللہ ہارون روڈ کراچی رابطہ: محمد اقبال' فون 5892083	اتوار	10 بجے صبح
26- کوہاٹ	برمکان شیر محمد' نزد جناح لائبریری	اتوار	8 بجے صبح
27- کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ فون: 825736	اتوار	4 بجے شام
28- گوجرانوالہ	شوکت نرسری گل روڈ' سول لائنز	جمعۃ المبارک	بعد از نماز جمعہ
29- گجرات	مرزا ہسپتال' کچہری روڈ	جمعرات	3 شام
30- گھوئیکی' سیالکوٹ	برمکان محمد حسین گھمن	ہر ماہ پہلا اتوار	صبح 9 بجے
31- لاہور	25- بی گلبرگ II (نزد مین مارکیٹ)	اتوار	9.30 بجے صبح
32- لاڑکانہ	برمکان اللہ بخش شیخ نزد قاسمیہ مسجد محلہ جاڑل شاہ رابطہ فون: 42714	جمعۃ المبارک	بعد نماز عصر
33- ملتان	شاہ سنز بیرون پاک گیٹ	جمعہ	ساڑھے 5 بجے شام
34- مامون کانجن	برمکان ڈاکٹر (ہومیو) محمد اقبال عامر چک 509 گ ب رابطہ فون: 04610-345	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ

شہر	مقام	دن	وقت
35- منگورہ سوات	ڈیرہ اقبال ادریس، عقب مہران ہوٹل گرین چوک فون: 710917	ہر دوسرے جمعہ	2 بجے دوپہر
36- نواں کلی، صوابی	رابطہ سید الطاف حسین ٹیچر	اتوار	صبح 10 بجے
37- رانی پور	اوطاق ڈاکٹر سلیم سومرو سومرو محلہ رابطہ شفیع محمد سومرو	جمعۃ المبارک	بعد نماز عشاء
38- واہ کینٹ	برمکان چوہدری محمد اشرف 18/9/1293	بروز بدھ	بعد نماز عصر

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔ تحریک طلوع اسلام سے متعلق استفسارات مندرجہ بالا مقامات پر موجود کارکنان تحریک کے حوالہ کیجئے۔ جواب ادارہ سے براہ راست دیا جائیگا۔

ختم نبوت فنڈ کا قیام

طلوع اسلام عقیدہ ختم نبوت کو دین کی اصل اور اسلام کی اساس سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں ہوسکتا، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ختم نبوت کا اعلان دراصل نوع انسان کی آزادی کا اعلان ہے۔ انسانی اختیار و ارادہ پر جس قدر پابندیاں عاید کرنی مقصود تھیں ان سب کی صراحت قرآن مجید میں کر دی گئی ہے۔ اور اس امر کی ضمانت دی گئی ہے کہ ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ یہ ضمانت نوع انسان کے لئے بہت بڑی رحمت ہے کیونکہ اس کی رو سے انسان اپنی آزادی کی طرف سے حتمی اور یقینی طور پر مطمئن ہو جاتا ہے۔

علامہ غلام احمد پرویز نے اپنی معرکہ آراء تصنیف "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" میں اس موضوع پر نہایت مدلل اور پرمغز بحث کی ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر ادارہ طلوع اسلام نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کی وسیع پیمانے پر اشاعت کر کے مفت تقسیم کیا جائے تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ لوگ استفادہ کر سکیں اور دوسرے یہ کہ عقیدہ ختم نبوت سے متعلق طلوع اسلام کے نقطہ نظر کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کی وضاحت ہو جائے۔ اس کام کے لئے بہت ساری رقم درکار ہے جو کہ تحریک طلوع اسلام کی مالی استطاعت سے باہر ہے۔ لہٰذا، ختم نبوت کے نام سے فنڈ قائم کیا گیا ہے اور طلوع اسلام کے تمام کرم فرماؤں سے استدعا کی جاتی ہے کہ وہ اس فنڈ میں دل کھول کر چندہ دیں تاکہ اس کام کو خوش اسلوبی سے سر انجام دیا جا سکے۔ آپ اپنے عطیات ادارہ طلوع اسلام یا طلوع اسلام ٹرسٹ، ختم نبوت فنڈ کے اکاونٹ میں جمع کرائیں۔ تحریک آپ کے تعاون کے لئے ممنون رہے گی۔

DARS-E-QURAN

(Recorded Lectures of Allama Ghulam Ahmad Parwez ®
BOOKS AND MAGAZINE TOLU-E-ISLAM ARE ALSO AVAILABLE AT THE FOLLOWING PLACES

DENMARK
Muhammad Afzal Khilji
Gammel Kongevej
47,3.th
1610 Kohenhavn V
Last Saturday of the
Month AT 1900 Hrs.

KUWAIT
Flat No. 6 Floor No. 3
Taher Bu Hamad
Building – Opposite
Al-Othman Mosque
Hawally. Friday 9.30 hrs

NORWAY
Galgeberg. 4th floor – Trosvik Snippen.3 – 1670 Fredrikstad
Every Sunday at 1200 hours.

LONDON
76 Park Road Ilford
Essex
Phone 0181-553-1896
First Sunday of the
Month
At 1430 hours

CANADA
627 The West Mall
Suit 1505 Etobicoke.
ONT M9C 4W9
Ph. (416)245-5322
First Sunday of the
Month at 11 AM.

ON RADIO IN CANADA – EVERY SATURDAY 7 TO 8 PM – DIAL AM -530

Letters to the Editor

Sir

My heart goes out to the grief-stricken father, Abdullah Sani, for his son captain Shahzad Adnan Noor Sani, who died in a helicopter crash in Multan. Indeed no words can empathise with the agony that he is undergoing. Those who have felt a similar agony and experienced such a close mishap and loss (for instance I have experienced it about 19 years ago) will understand more intensely. In any case, no human life has ever been lived without such tragedies and losses.

Captain Sani, the pride of place that he has been given in the pages of Tolu-e-Islam magazine is unprecedented. However, I am not commenting upon that at the moment. My attention right now is riveted on one particular sentence in the comments made by the mournful father, Abdullah Sani. He says "----just as the pocket watch of his late father stopped at his death, similarly the watch stopped at five past ten at the time of his martyrdom when his soul was entering the highest circle of paradise. Who dare say that time does not stop at great events. Ask me and I shall tell you to come and see and feel how the time stops."

Now here we enter the realm of concepts and world-view. Since Abdullah Sani's views are printed in the Tolu-e-Islam magazine I would like to know if the Quran condones such views. I cannot think of any verse that does. Quranic view of the Laws of Nature and permanent Human values go against such phenomenon, as these Laws are unchangeable, inexorable and absolute and are not subject to human emotions, desires and likes and dislikes. Pragmatic test also proves it. Did any clock or watch stop when the great Qaid and before him, Iqbal died? Talking at the personal level, no clock stopped when my brother died in an air-crash in Taif in 1979. And then above all, we have Nabi Muhammad's own verdict on it. When his infant son, Ibrahim died, it coincided with the solar eclipse. The people around linked it up with the universe in mourning for the child. The immediate reply was, in the midst of his grief, the great teacher that he was that the Laws of Nature functioning in the universe have nothing to do with the life and death of human beings. I think that should clinch the matter.

As for the phrase "time stopping at great events" is a figure of speech, making any language effective and expressive, and no more. It should be understood and used as such, or else there will be no end to such myths.

MS SHAMIM ANWAR

PLEASE MAKE SURE THE SUBSCRIPTION IS DULY PAID

DAMP - DECAY - MOISTURE ???

NO WORRY

WE PROTECT YOUR HOUSE

AGAINST
DAMP-DECAY-MOISTURE-LEAKGE
AND
MEND, FILL, SEAL AND REPAIR
THE CRACKS, FISSURES, RAIFTS, GAPS AND
EXPANSION JOINTS TO ASTM STANDARDS

PLEASE CALL US TO DEMONSTRATE
HOW WE DO IT

SAFTY SEALERS(Pvt) LTD

JAN MUHAMMAD ARCADE,
1st FLOOR 93-FEROZPUR ROAD,
LAHORE. Phone : 7573615, 417254
FAX : 092-42-7573615

ALLAMA IQBAL ROAD
KARACHI

Phone 4557176

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL ® AND QUAID- E-AZAM

R L NO.CPL-22
VOLUME : 51
ISSUE 09

Monthly
Tolu-e-Islam

AMBER —The most versatile range of single and three phase capacitors in world class quality—quality that combines Italian and Japanese technology—technology that takes the form of strict QC and performance testing at every stage of production. Manufactured to international standards and specifications.

Our range of products include:

- Motor Start-Run Capacitors
- Fluorescent Lamp Capacitors
- Power Factor Improvement Capacitors

AMBER ® CAPACITORS The national name for international quality

We also manufacture to your specifications.

AMBER CAPACITORS LIMITED

Climax House, 16-Link McLeod Road, P.O. Box 468, Lahore-Pakistan
Phone: +92 42 722 5865 & 722 6975 Fax: +92 42 723 2807 & 586 6617 Tlx: 44335 AMBER PK